

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_188755**

UNIVERSAL  
LIBRARY



**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No. 92.54.

Accession No. 2804

Author

M. B.

Title

خبررۂ اصول

This book should be returned on or before the date last marked below.





OSMANIA UNIVERSITY  
COLLEGE LIBRARY

# مختصرات

## تیموریہ حصہ اول

جمیس چند نامو ممتاز خواتین خاندان تیموریہ  
وغیر کے مفصل و مشرح حالات نہ دی گئے  
کئے ہیں جنہیں چند انیاں اور یادہ نمبر لویاں ہیں  
مرتبہ

یہ خطو محسن مالک قومی پریس لکھنؤ نظام الملک  
حسب فرمایش حافظ ابوالحسن صاحب

س ۱۵۶

بہ تمام فضل حسین پریس  
بلا حوق و لغو خاں

فہرست کتب و تصانیف

اسکی حد سے زیادہ عظمت کرتے اور اسکی شرافت و جبروت کو دل سے تسلیم کرتے تھے۔ اس معنی کرا متہ الحیب ایک معزز اور شریف خاندان کی عورت تھی اور تعجب نہیں کہ اسکی پیدائش خاندان کے میں ہوئی ہو جیسا کہ بعض مورخین نے لکھا ہے۔

امہ الحیب کا باپ یزدانی اگرچہ اصل میں آتش پرست تھا۔ اور بظاہر زرتشتی مذہب تیز و سائیر کا پابند تھا۔ لیکن آخر میں نہ کسی کی تلقین و وعظ سے بلکہ صرف عقل ضد ادا و وفطرت سلیمہ کے منفذ کرشموں سے مسلمان ہو گیا تھا۔

جب خلیفہ دوم جناب فاروق اعظم ملک ایران پر حملہ آور ہوئے ہیں تو اسوقت سے اکثر ایرانی خاندان کے لوگ مسلمان ہو گئے تھے اور زرتشتی مذہب کی بنیاد نہایت کمزور و سست پڑ گئی تھی چنانچہ امہ الحیب کے خاندان کے بھی کثیر تعداد بزرگ مسلمان ہو گئے تھے یزدانی بیشک کسی کے تلقین سے مسلمان نہیں ہوا بلکہ لڑکپن ہی کے زمانہ میں ہوش سنبھالتے ہی زرتشتی مذہب اور آتش پرستی کا لہر اس کے نزدیک مشتبہ تھا وہ آتش پرستوں کے مذہبی اصول پر بڑی سرگرمی کے ساتھ نکتہ چیں تھا اور اس مذہب کے پیروؤں کو بڑی حقارت کی نظروں سے دیکھتا تھا۔ اکثر اوقات غیر اقوام سے مذہبی مباحثے کیا کرتا اور مذہب حقانی اور شریعت آسمانی کی تلاش میں مختلف مذہب کی کتابوں کا مطالعہ کیا کرتا تھا کبھی موسوی فخریت کو ٹوٹاتا اور گاہے یسعیوں کی انجیل کی جلیخ پڑتا کرتا۔ انجام کار رفتہ رفتہ ان مباحثوں اور مویشکافیوں کی یہاں تک نوبت پہنچی اور اس تحقیق کا یہ نتیجہ نکلا کہ وہ بلا تامل اسلامی دنیا میں داخل ہو گیا۔

امہ الحیب کی ماں نے جب دیکھا کہ خاوند مسلمان ہو گیا تو وہ بھی اس کے ساتھ ہی بطیب خاطر مسلمان ہو گئی۔ اسوقت امہ الحیب کی عمر تقریباً گیارہ سال کی تھی

گو یہ ابھی بچہ ہی تھی۔ اور عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ گیارہ برس کے بچے کسی بات کے قرار و شیب اور اُتار چڑھاؤ سے بخوبی واقف نہیں ہوتے مگر امتہ الحبیب کی خلقت اور فطرت اسکے بالکل مغاثر تھی۔ اسی وہ خداداد عقل اور ذہن رسالت کا بے سوچے سمجھے کبھی کوئی بات ہی نہ کرتی تھی اور ہمیشہ فطرت کی اہمیت اور اشیاء کے حدودی اسباب میں بیٹھنے اور بات کی تہ تک پہنچنے کی نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتی اور اُس سے فوراً نئے نئے عمدہ نتائج نکال لیتی تھی۔ امتہ الحبیب نے جب دیکھا کہ میرے ماں باپ مسلمان ہو گئے تو سخت پریشان ہوئی اور متواتر چند روز تک جو بیٹے فائز میں غوطہ زن رہی اور ہر بات کے اہلی پہلوؤں پر غائر نظر ڈالتی اور نتیجے کو ریکارڈ کر لے کر نکالتی تھی۔ لیکن جوں سی یردانی اور اسکی بیوی نے اپنی ہونہار اور ذلیعور لڑکی کو مشوش اور پریشان دیکھا تو نہایت ہی شفقت کے لہجہ میں کہا یا کہ پیاری امتہ الحبیب تم ہرگز کسی بات کا خیال نہ کرو کہم کبھی تم پر زور نہ ڈالیں گے کہ مسلمان ہو جاؤ بلکہ تم اپنی طبیعت کی تختا ہو جاؤ زرتشتی مذہب برتو اور دساتیر پر ایمان رکھو چاہو مسلمان ہو جاؤ غرض کہ تم تمہیں تمہارے خیالات میں بھی پابند کرنا نہیں چاہتے اور کسی بات میں بھی تمہیں مجبور نہیں کر سکتے۔

امتہ الحبیب اپنے والدین کی یشفقانہ اور مسرت انگیز تقریر سن کر بہت ہی خوش ہوئی اور اب وہ بڑی آزادوی کے ساتھ زرتشتی اور اسلامی مذہب کے اصول و عقائد کے دریاقت کرنے لگی۔ اُس نے کامل دو سال اسی مذہبی تحقیق میں پورے کئے اور حقانی مذہب کی تلاش کرنے کی کوشش میں کوئی بات اٹھانہ رکھی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بھی انجام کار تیرہ برس کی عمر میں مسلمان ہو گئی۔

امتہ الحبیب کے والدین اسکے مسلمان ہونے سے بہت خوش تھے۔ کیونکہ انہیں یقینی طور پر معلوم ہو گیا تھا کہ یہ کسی کے جبر یا کسی طرح کی اُمید و طمع کے خیال ہو مسلمان

نہیں ہوئی ہے بلکہ خود سچ سمجھ کر اسلام قبول کیا ہے۔

اتمہ بحیب کا کوئی بہائی نہ تھا۔ اسلئے یزدانی کو کمال اُننگ اور شوق تھا کہ وہ اپنی تمام دلی آرزوؤں اور اراموں کو اس سے پورا کرے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اسے مردانہ لباس پہنایا کرتا تھا۔ اور لوگوں کی طرح ہر قسم کی علمی اور سپاہیانہ تعلیم دلویا کرتا تھا۔ اول گھوڑے پر چڑھنا سکھایا۔ پھر تیر اندازی کی تعلیم دلوائی۔ غرض کہ جس قدر علوم و فنون سپہگرمی کے متعلق ہوتے ہیں وہ سب اتمہ بحیب نے اپنے مہربان باپ کی کوشش سے بطریق احسن حاصل کر لئے اور اب ہمیں پورے جوان مرد اور فوجی افسر بننے کی قابلیت آگئی۔

اس وقت اتمہ بحیب کو عموماً شرفاء کی صحبت میں رہنے کا اتفاق پڑتا تھا اور اسکے اخلاقی خیالات ایسے اچھے تھے کہ ہر شخص اُس سے محبت پیش آتا۔ اور تمام سلمان رئیس اُسکی ذاتی قابلیتوں کی وجہ سے اُسکی صحبت کو قیمت سمجھتے تھے مگر یہ اپنے عزیز اور بیش قیمت وقت کو اکثر خلیفہ کی اولاد میں صرف کرنا پسند کرتی تھی اور وہ بھی اُسکی علمی فیاضیوں کے باعث اسے دل سے چاہتے تھے۔ خلیفہ کے بچے اور اتمہ بحیب اس طرح باہم شیر و شکر ہو کر زندگی بسر کرتے تھے جیسے ایک شریف گھر کے سگے بہن بھائی رہتے ہیں۔

اتمہ بحیب کو علمی ترقی میں کوشش کرنا زیادہ موقع نہیں ملا لیکن اُسنے پھر بھی خلیفہ کے بچوں کی صحبت میں تحصیل علم میں وہ حیرت انگیز اور نمایاں ترقی کی کہ اگر گھر میں تعلیم دی جاتی تو کبھی اس سے زیادہ ترقی نہ کر سکتی۔ زراں بعد اتمہ بحیب مدرسہ سلطانیہ جریہ میں بھرتی ہوئی۔ اور یہاں اُسے اپنی فطری لیاقت اور جوہر ذہن کی بدولت بہت تھوڑے عرصہ یعنی صرف سولہ مہینے میں جنگ کے تمام اصول سیکھ لئے۔ اور اب وہ اپنے ہم عصر فوجی نوجوانوں میں اُمید افزہ

نظروں سے دیکھی جانے لگی۔

اسی اثنا میں مختلف شہزادوں نے نکاح کے پیام اُسکے پاس بھیجے۔ مگر اُس نے فوراً انکار کر دیا۔ کیونکہ اُسے حتمی اور قطعی طور پر ارادہ کر لیا تھا کہ جہاں تک بن پڑیگا میں کبھی کسی سے شادی نہ کروں گی۔ وجہ یہ کہ اُسے مختلف صحبتوں میں رہنے۔ نیز اُسکے ذاتی تجربہ نے معلوم کرادیا تھا کہ عورت اپنی شادی کر کے بالکل قیدی جانور کی طرح سمجھی جاتی ہے اُسکے تمام انسانی حقوق تلف کر دئے جاتے ہیں اور اُسے پھر کبھی آزادی نصیب نہیں ہوتی۔ نیز اُسے یہ بھی معلوم تھا کہ اُن بہنوں کو کس قدر جگر خراش مصائب اور جانگزا تکالیف کی برداشت کرنی پڑتی ہے جن کے تاواند بہد اخلاق اور بُرے نکلے ہیں۔

بیزدانی کے پاس بھی اس قسم کے بہت سے پیغام آئے۔ لیکن اُس نے اپنی پیاری بیٹی کی آزاد پسند طبیعت کا اندازہ کر کے ہر ایک شخص کو صاف اور کورا جواب دیدیا۔ کہ میں اس بارے میں کچھ نہیں کر سکتا۔ چونکہ لحاظ اصول اسلام وہ اپنی شادی کرنے کی آپ تمنا ہے اسلئے میں اُس پر ذرا بھی جبر نہیں کر سکتا اُسے اختیار ہے جہاں چاہے شادی کر لے اور اسی میں میں بھی خوش ہوں جب امۃ الحبیب کی عمر ۱۹ برس کی تھی تو بیزدانی بایزید کی فوج میں بھرتی ہو گیا تھا ساوہ چند ہی روز میں اپنی ذاتی کوششوں اور محض اصابت رائے اور ہوشیاری و عقلندی کی وجہ سے اُسے بایزید کے ہاں وہ اقتدار و عروج حاصل ہو گیا تھا کہ ایک ایرانی نسل شخص ترک افواج کا جبرل قرار دیدیا گیا۔ امۃ الحبیب بھی اپنے باپ کے ساتھ ہی بایزید کے ہاں فوج میں ملازم ہو گئی تھی۔ اگرچہ بایزید اول اول امۃ الحبیب جیسی نوجوان نوخیز اور نہایت حسینہ و جمیلہ لڑکی کو مردانہ بھیس میں رکھتے ہچکچاتا تھا۔ لیکن پھر اسکی بیدار مغزی اور ذاتی لیاقت نے بایزید کے تمام تذبذبات کو

مشاویا اور اب بایزید نے نہایت آزادی اور خوشی کے ساتھ اُسے اپنی فوج کی تقنی کے عہدے سے ممتاز کیا۔

یہ امر نہ صرف تعجب ناک بلکہ سخت حیرت انگیز ہے کہ نوجوان ائمہ الحیب ہ ہال کی عمر تک جو عین شباب اور دلی جذبات اور پرجوش دلوں کا عالم ہے اپنے ہمعصر فوجی نوجوانوں میں بالکل ویسی ہی رہی جیسے ایک سگی بہن بھائیوں میں رہتی ہے اُسکی پاک اور بے لوث طبیعت میں کبھی نامبارک جوش اور نفرت انگیز ولولے ہی نہیں اُٹھے۔ گو وہ ایک نہایت حسین نوجوان عورت تھی۔ مگر خدا کی قدرت کہ اُسے کبھی اپنی نوجوانی کے اہلار دیکھنے کا ارمان ہی نہیں ہوا اور اُسکی سب سے بڑی دُور وہیں معلوم ہوتی ہیں یا تو یہ کہ اُسکی طبیعت فطرتاً بالکل صاف تھی اور کبھی کوئی بُرا اور مذموم خیال اُسکے ذہن نشین ہی نہیں ہوا۔ یا یہ کہ کبھی کوئی نوجوان کسی حالت میں اُسے بڑی نگاہ سے نہ دیکھتا تھا۔

جیب بایزید کی فوج کو کسی ہم پر جانے کا اتفاق پڑتا یا وہ اپنے فوجی افسروں کے امتحان اور آزمائش کی غرض سے مصنوعی جنگ کا حکم دیدیتا تو شیرازتہ الحیب فوجی کام میں اگر مردوں سے اول نمبر نہ رہتی تو کسی کام میں اُن سے کم بھی نہ رہتی بایزید اُسکی بہادری اور جرأت کی بحد تعریف کرتا اور اپنی اولاد کی طرح اُس سے یہ محبت پیش آتا۔ اور اُسکی فوجی مشق دیکھ کر متواتر اور بار بار اپنے ہاتھ سے کیر اللعدا رقیس بطریق انعام عطا کیا کرتا تھا۔ وقتاً اسی اثنا میں بایزید کا تیمور سے مقابلہ ہوا اور چند خونخوار جنگوں اور نہایت خوفناک خونریزیوں کے بعد بایزید کو شکست ہوئی اور ائمہ الحیب اپنے بہت سے مددگاروں اور جانی نثاروں کے ساتھ گرفتار کر لی گئی۔

میں شہنشاہ تیمور اور بایزید کی اس خونخوار جنگ کے پورے واقعات لکھ کر اپنے

بیان کو زیادہ طول نہ دوں گا البتہ وہ دلچسپ اور تیز ناک کار نامے ضرور قلمبند کروں گا جو اتمہ الجیب کی ذات خاص سے تعلق رکھتے ہیں اور جسے ناظرین پر یہ بات بخوبی ظاہر ہو سکتی ہے کہ یہ آزادی پسند خاتون اپنے تئیں تیمور جیسے تہ ناک سلطان کے نکاح میں دینے کو کوئی نوکر راضی ہو گئی۔ اور اسنے ایک ایسے خوشخوار اور خوشیاں مزاج بادشاہ کی محکوم بن کر کس طرح اپنی زندگی بسر کی اسنے اُس زمانہ میں جبکہ وہ ایک ادولہ العزم شہنشاہ کی بیگم کہلائی جانے لگی تھی۔ کیا کیا اور اسوقت اُنکی کیا کیفیت تھی۔ جو وقت بایزید اور سلطان تیمور کے دونوں خوشخوار لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ اور جل الطیر کے نہایت وسیع اور خوفناک سطح پر ترکوں کے خون کا دریا بہا لہریں لینے لگا۔ تو اتمہ الجیب زرہ بکتر سے اپنا سارا جہم چپائے ہوئے لشکر بایزید سے برآمد ہوئی اور نہایت جرات و دلیری کے ساتھ مردانہ وار افواج تیمور پر تیروں کا نینہ برساتی ہوئی آگے بڑھتی چلی گئی تیموری فوج میں کا ایک شخص بھی اس پُر خوف اور خطرناک حالت میں بالکل تفریق نہ کر سکا کہ یہ عورت ہے۔ انجام کا بایزید کو شکست ہوئی اور اُس کے بڑے بڑے فوجی افسر زندہ قید کر لئے گئے بایزید کے جو فوجی افسر قید ہو کر آئے تھے اُن میں ایک اتمہ الجیب بھی تھی۔

ایک محقق مورخ اتمہ الجیب کی اسوقت کی شکل و شبہات کا فوٹو لیں کھینچا ہے کہ اتمہ الجیب یا حمیدہ بانو بیگم ایک لائے قد کی عورت تھی۔ اسکے ہاتھ پر سیقہ چوڑے چمکے تھے۔ ستانہ اور بڑی بڑی آنکھیں مگر یورپین کی طرح نیلی رنگ خوب کھلتا ہوا۔ گندم گوں۔ گول چہرہ۔ چوڑی اور کشادہ پیشانی۔ باریک اور نہایت خوبصورتی کے ساتھ خم کھائی ہوئی بھینویں۔ چہرہ کا رنگ نہایت عات۔ لیکن پُر رعب۔ وہ نہایت خلیق اور شکس المراج تھی مگر پھر بھی اُنکی صورت سے رعب اور دبدبہ کی شان پرستی تھی۔ جو وقت وہ تیموری فوج پر حملہ آور ہوئی ہے تو اپنے نازک

مگر مضبوط اور قوی جسم کو زہر بکتر سے چھپائے ہوئے تھی۔ ایک آہنی خود سر رکھا ہوا تھا سر سے دو گز اوپر نیزے کا پھل روشن تارے کی طرح چاروں طرف کمر میں ڈال رہا تھا سینے میں ایک زہر سے بھجا ہوا خنجر لگا ہوا۔ کمان شانے پر پڑی ہوئی ترکش پشت پر لگی ہوئی دائیں ہاتھ میں ایک بڑا بہاری فولادی گرز۔ دونوں پہلوؤں میں دو تلواریں لٹک رہی تھیں۔ ایک پیل پیکر گھوڑے پر سوار نئے انداز اور عجیب آن بان سے گھوڑے کو بھال بھال کر آگے بڑھی چلی آ رہی تھی۔

الفرض اس فتح کے دوسرے ہی روز شہنشاہ تیمور نے حکم دیا کہ یانیرید کی فوج کے جس قدر لوگ گرفتار ہو کر آئے ہیں سب قتل کر دئے جائیں۔ اس تیموری حکم کے نافذ ہوتے ہی اتمہ الجیب نے تیمور جیسے خونخوار اور ضدی بادشاہ کے سامنے اگر بڑی دلیری سے کہا کہ بادشاہ! مجھے کچھ عرض کرنا ہے۔ ہر چند کہ اسکا یہ معمولی اور سادہ فقرہ کچھ ایسا موثر نہ تھا اور تیمور جیسے قہار سلطان کے آگے اس قدر وقعت نہ رکھتا تھا کہ اسکی توجہ اس پر مائل ہوتی۔ لیکن پھر بھی چند ندیموں اور ارکان سلطنت کی سفارش کر نیسے اس نے اس دلیر اور جری خاتون کو جو مردانہ بھیس میں بادشاہ کے تخت کے سامنے کھڑی تھی پاس بلایا۔ اور کہا کہ کیا کہتا ہے۔

اتمہ الجیب شہنشاہ کا یہ امید دلانے والا فقرہ سن کر آگے بڑھی اور نہایت تہانٹ اور سنجیدگی کے لہجے میں یوں گویا ہوئی کہ اے امیر اس وقت جو کچھ میں عرض کروں گا سراسر صداقت اور آزادی پر مبنی ہو گا نہ میں کسی کی مصنوعی اور بناوٹی تقریر کے بنگا نہ کسی کی نسبت جھوٹے الفاظ میری زبان سے نکلیں گے میری التجا ہے کہ تا وقتیکہ میں اپنے مافی الضمیر کا اچھی طرح اظہار نہ کروں تقریر کر نیسے بند نہ کیا جاؤں۔

اتمہ الجیب کی اس پُر مغز اور ماقلائہ تقریر نے دربار کے ندیموں اور تمام ارکان سلطنت بلکہ خود امیر تیمور پر وہ پُر زرب اثر ڈالا کہ سب کے سب دم بخود ہو گئے اور نہایت



استعجاب و حیرت سے باہم کہنے لگے کہ یہ کوئی بڑا ہی ولی اور مہیاک شخص ہے جو ایسے  
خونخوار اور قہرناک بادشاہ کے سامنے اتنی بیخونی اور سختی سے گفتگو کر رہا ہے۔ اس کی  
باتوں سے ذرا بھی تواضع اور ملتی نہیں پایا جاتا۔ اس وقت تیموری دربار کی عجیب و غریب  
کیفیت تھی۔ چاروں طرف خاموشی اور سکوت کا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اور ہر تنفس پر سخت  
کا عالم طاری تھا۔ تیمور کو خود انکی اس درشت فزاجی اور بیخوف گفتگو پر تعجب اور تعجب کے  
ساتھ سخت حیرت تھی۔ انجام کار تیمور نے تھوڑی دیر کے سکوت کے بعد گردن اٹھائی  
اور اجازت دی کہ تجھے جو کچھ کہنا ہے کہہ۔ میں اسید دلانا ہوں کہ اس وقت تو جو کچھ کہیگا  
میں اُسے بڑی خوشی کے ساتھ ہر تن گوش ہو کر سنوں گا۔

امداد الجیب کو تیمور کی اس تسلی آمیز اجازت نے کسی قدر اور بھی دلیر کر دیا اور اب وہ  
پوری جرأت اور مہیاکی سے یوں کہنے لگی۔ اے بادشاہ! تو نے جو بانیہ پر چڑھائی  
کر کے صدمہ باندگان خدا کی خونریزی کی اور تیرے لشکر کی خونریز تلواروں نے  
بڑی خونخواری کے ساتھ ہزاروں بیگناہوں کے تن بے سر کر دئے خوب سمجھ لے  
کہ یہ ایک ایسا سنگین جرم ہے۔ جو قیامت تک تیرے گلے کا ہار رہے گا۔ اور کبھی  
معاف نہ ہوگا۔ تو نے نہایت بے رحمی اور سخت بیدردی سے ستر ہزار بیگناہ ترکوں  
کو دھوکا دیکر سرنگ کے ذریعہ سے اڑا دیا۔ اور انکے معصوم اور لاٹوے بچوں کو قہم  
ناکر دہ کار عورتوں کو بیوہ کر دیا۔ میں تجھے یقین دلاتا ہوں کہ تو نے بہادر ترکوں کی خونریزی  
نہیں کی ان کے خون کے بہتے دریا میں اپنے گھوڑے کے سم نہیں بہکے بلکہ  
اسلام کی بیخ و بناد کو اکھیڑ کر پھینک دیا۔ یہی حامیان اسلام اور جاں نثار ترک  
تھے جنہوں نے تمام یورپ پر مردانہ حملے کر کے ان کا قافیہ تنگ کر دیا تھا۔ یہی تھے  
تھے جنہوں نے تمام مخالفت سلطنتوں کو زیر و زبر کر کے اپنے لئے فاتحان قوم کا  
معززانہ خطاب حاصل کیا تھا۔ بہلا کسی آسمانی شریعت یا ملکی قانون میں تو یہ تباہی

ہے کہ مسلمان کو اس بیرحمی اور ظلم کے ساتھ قتل کرنا جائز ہے۔ اگرچہ بائبل نے نہایت تواضع اور فروتنی کے ساتھ تجھے صلح کا پیام دیا۔ اور ایک یگناہ مخلوق کی جان بچانے کے لئے تجھے جیسے تکبیر اور نخوت پسند شخص سے لمبا جت پیش آیا مگر تو نے اس پر بالکل توجہ نہ کی۔ اور اُسکے جواب میں یہ مغرورانہ تحریر بھیجی کہ تا وقتیکہ میں تیرے ملک پر فتحیاب نہ ہوں گا میرا نام ناتحان اولوالعزم کے رجسٹر میں بھی درج نہیں ہو سکتا۔

اس میں ذرا بھی شبہ نہیں کہ ایک نہ ایک دن تیری عمر کا پیمانہ لبریز ہو کر جھلک جائیگا۔ یعنی تجھے ضرور مرنا ہے اور اس عالم کو ملے کر کے رب الافواج کے سامنے کھڑا ہونا ہے۔ یہ تو ہی بتا کہ جب وہ ان مظلوم جفاکشوں کی بابت تجھ سے عقاب آمیز سوال کریگا تو تو کیا جواب دیگا۔ میں اس لئے نتیجہ بات کی بابت زیادہ بحث کرنا پسند نہیں کرتا صرف اس قدر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بھلا آج تک کبھی مظلوم قیدیوں پر بہادروں کی تلواریں اٹھی ہیں۔ ہم بے بس قیدی ہیں۔ ہمارے ہاتھ پاؤں زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔ یہ نہایت ہی بزدلانہ اور نفرت انگیز فیصلہ ہے۔ کہ تو ہمیں اس حالت بے بسی میں گروں مارے جانے کا حکم دیتا ہے۔

امتہ العجیب اس سلسلہ تقریر کو ختم کر کے اپنا ہاتھ سترنگ لیگئی اور اپنا آہنی خود جو ابھی آفتاب کی شعاع سے آئینہ کی طرح چمک رہا تھا اتنا کر زمین پر پھینک دیا۔ اور ایک منہایت کزخت لہجہ میں کہا۔ اے سلطان! دیکھ اور خوب دیکھ کہ میں ایک نا تجربہ کلر عورت ہوں تو بھی سے اس بات کا عمدہ طرز اندازہ کر سکتا ہے کہ جس قوم کی عورتیں ایسی بیباک اور بہادر ہوتی ہیں اُنکے مرد کیسے بخوت و دیہ ہو سکتے۔

امتہ العجیب کو قدرت نے صورت ہی ایسی دی تھی کہ ممکن نہ تھا کوئی اُسے دیکھے اور دیکھتا نہ رہ جائے۔ جو ہی تیمور نے اُسے دیکھا۔ دیکھتے ہی ہلک گیا اور آہی اُس بخوت اور گستاخانہ گفتگو پر ہونچکا سا ہو گیا۔ اگرچہ امتہ العجیب کی یہ تقریر نہایت

ہی یہ پاک اور نعت تھی۔ بالخصوص ایک خوشخوار اور قہرناک سلطان کی بابت اسی کو مخاطب کر کے۔ مگر تیمور نے بڑی منکسر المزاجی اور متواضعانہ اخلاق کے ساتھ بہت ہی نرمی کے لہجہ میں کہا کہ اے بہادر اور ولیہ خاتون تو نے جو کچھ اپنی اس تقریر کے پیرائے میں ظاہر کیا ہے۔ سب درست اور بجا ہے۔ لیکن وہی بات یہ ہے کہ مختلف فتوحات کی لچکپی نے وہ نئے نئے سامان پیدا کر دئے ہیں۔ جنہوں نے اہلی واقعات کو مٹا دیا۔ جاہ میں نے تیرا اور تیرے جاں نثار قیدیوں کا خون معاف کر دیا۔

یہ سنتے ہی امۃ الجیب نے بادشاہ کو سلام کیا اور سح اپنے ہمراہیوں کے لشکر بایزید میں جا ملی۔ اُسکے چلے جانے کے بعد شاہ تیمور نے یزدانی کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا اول تو وہ یہ سوچ کر کھینچتا رہا کہ تیمور انتہا سے زیادہ غصیللا اور خوشخوار بادشاہ ہی مبادا امۃ الجیب کو اُس سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے مگر حبیب اس نے خود امۃ الجیب ہی کی مرضی اس طرف مائل پائی تو فوراً قبول کر لیا۔

تیمور یہ خوشخبری سن کر کہ یزدانی نے اُس کے پیام کو بخوشی منظور کر لیا بہت خوش ہوا اور دوسرے ہی روز اپنے ہمراہ گیارہ ہزار فوجی بہادر وں کا مجمع لیکر جبل الطیر کے وسیع میدان میں نکاح کو لے گیا۔ یہاں یزدانی نے ایک نہایت عظیم الشان خیمہ جس میں تقریباً بائیس ہزار فوج کی اچھی طرح گنہائش ہو سکتی تھی ایک اونچی سطح پر زمین کے مستطیل قطع میں ایسا دھکیا۔ اور حبیب تیمور اس خیمہ کے قریب پہنچا تو یزدانی اور اُسکے ساتھ بہت سے فوجی افسروں نے بڑے جوش مسرت کے ساتھ اُس کا استقبال کیا اور ایک نہایت ہی سکھت اور پیش قیمت فرش پر بٹھایا۔ تیمور نے امۃ الجیب کے ہمر میں ملک چین لکھا اور قاضی نے معمولی خطبہ پڑھ کر ان دونوں کا نکاح باندھ دیا۔

یزدانی نے اپنی وسعت و گنہائش کے موافق اپنی پیاری بیٹی امۃ الجیب کو بہت کچھ ہینر دیا۔ اور چند الوداعی نصیحتانہ کلمات کہہ کر رخصت کر دیا امۃ الجیب شاہی محل میں داخل

ہوئی اور آج سے تمام حرم سرا کی بیگیوں میں حمیدہ بانو بیگم کے نام سے بھاری جلتے لگی۔  
 گو حمیدہ بانو بیگم کے علاوہ تیمور کی تین بیگیں اور بھی تھیں مگر تمام بیگمات میں نسبتاً تیمور  
 کی بہت پیاری تھی اسنے اپنی ظاہری خوبصورتی اور حسن و جمال ہی سے تیمور جیسے جابر و  
 قابہ سلطان کا دل اپنی طرف مائل نہیں کیا تھا بلکہ اپنی روشن و ماعنی اپنی بیدار مغزی  
 اپنے اچھے اخلاق و عادات اپنی قابل تعریف شایستگی و تہذیب کی وجہ سے نہ  
 صرف بادشاہ کو بلکہ حرم سرا کے تمام بیگیوں کو اپنا گرویدہ و فریفتہ کر لیا تھا۔ اسنے  
 قریباً کل حرم سرا میں وہ ہر دلغیزی اور رسائی پیدا کر لی تھی کہ ہر ایک بیگم اسی عظمت  
 کرتی اور محبت سے پیش آتی تھی۔ تیمور جیسا اپنی ذہن کا پورا اور ضدی بادشاہ اکثر  
 اوقات ملکی اور جنگی امور میں اس سے مشورہ لیتا اور جو کچھ یہ مشورہ دیتی اکثر اسی کے  
 مطابق عمل میں لاتا۔ جب تک تیمور زندہ رہا یہ ہر خطرناک معرکہ اور خوفناک مقام پر اسلمہ  
 سے آراستہ ہو کر اس کے ساتھ رہی اور میدان جنگ میں مین مقابلہ کے وقت جوان  
 مردی کے بڑے بڑے جوہر اور شجاعت کے حیرت انگیز نمونہ دکھایا کی۔

حمیدہ بانو بیگم ترکی عربی فارسی زبان کے علاوہ چینی اور زرتشتی زبان بھی جانتی تھی  
 اور موسیقی علوم میں پوری اور کامل مہارت رکھتی تھی۔ دوسری عورتوں کی مانند جو  
 قدرتی اشیاء پر دلدادہ ہیں حمیدہ بانو بیگم بھی فن شاعری سے بہت کچھ دلچسپی رکھتی  
 تھی۔ اور یہ کہنا مبالغہ نہ سمجھنا چاہئے کہ حمیدہ بانو بیگم کی فطرت میں فن شاعری کا قدرتی  
 مادہ رکھا گیا تھا وہ اکثر اوقات ترکی اور عربی زبان میں اشعار موزوں کیا کرتی تھی جو  
 جبرستگی اور بیستہنگی اور الفاظ کی بندش مطالب کی چستی اسے حاصل تھی اور شعرا میں  
 بہت کم دیکھی جاتی تھی۔ لیکن حمیدہ بانو بیگم کے عموماً جقدہ اشعار ہوتے تھے  
 وہ سب یہود و مبالغہ سے پاک صاف ہوتے تھے۔ اس کے اشعار یا تو اخلاقی مضامین  
 کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے تھے یا بہادریوں کی دلیرانہ اور شجائے مانہ ٹوٹوسوں

کی تعریف میں منحصر ہوتے تھے۔ وہ فضول شاعری یعنی حُسن و عشق کے بے نتائج  
جھگڑوں کو اپنی فطرت اور قومی طریقہ کے بالکل مخالف سمجھتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اُسکے  
اشعار میں نہ تو کسی قسم کے حُسن کی تعریف دیکھی جاتی ہے نہ عشق و محبت کے کرشموں  
کا سراغ اور لگاؤ پایا جاتا ہے۔

حمیدہ بانو بیگم کی تیارِ زندگی میں جو بات سب سے زیادہ قابلِ قدر اور لائقِ تعریف  
دیکھی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ جب اُسے کوئی نصیحتات کہی جاتی تو اُسکی نہایت  
شکر گزار ہوتی اور اگر وہ بات عمدہ اور نتیجہ خیز ہوتی تو نہایت سرگرمی اور مستعدی کے  
ساتھ اُسکی عملی تکمیل میں کوشش کرتی۔ اگرچہ اُسکی گفتگو میں ذرا جلدی تھی مگر یہ ناگہن  
تھا کہ بیان کی فصاحت و بلاغت پھیلکی پڑ جائے۔ اُسکی حاضر جوابی۔ اور بیستگلی  
کی قریباً تمام لشکرِ تیور میں ایک غیر معمولی شہرت پھیل گئی تھی۔ سگر اُسکی۔ یہ حاضر جوابی  
اور جربستگلی ایسی بے معنی اور لغو نہ تھی جو کسی کو ناگوار گزرتی بلکہ سننے والے پر ایک قسم کی  
کیفیت طاری ہو جاتی اور وہ اُس سے نہایت مفید اور کارآمد نتائج کھال لیتا۔

اُسکی ترکی اور عربی انشا پر دازی بڑے سلیقہ اور خوبی کے ساتھ ہوتی تھی۔ یہ اپنی  
حرم سرا کی بیگمات کے نام مختلف زبانوں میں اپنے ہاتھ سے خطوط لکھتی بلکہ اسکا  
منصبی فرض تھا کہ تمام سلطنت کے افسروں اور عمدہ داروں کے نام جب قدرِ احکام و  
فرائض صادر ہوتے تھے انہیں حمیدہ بانو بیگم ہی اپنے ہاتھ سے تحریر کرتی تھی۔ نیز تیور  
کے حضور میں جب قدرِ عرض اور استغاثے یا یادداشتیں اور رپورٹیں گزرتی تھیں جو  
روزانہ ہمیشہ سینکڑوں کی تعداد سے متجاوز ہوتی تھیں اُنکے متعلق احکام و تہذیب و  
فیصلے خود بھی بیگم لکھا کرتی تھی۔ غرض کہ حمیدہ بانو بیگم جیسی ضعیف و بلیغ اور عقل و تہذیب کا پتلا  
تھی ویسی ہی اپنی تعجب تیز فیاضی اور حیرت انگیز خوش اخلاقی میں بھی شہرہ ہوئی۔  
ایک بہت بڑی قابلِ تعریف بات حمیدہ بانو بیگم میں یہ تھی کہ وہ اپنے فرائض اس

جرات اور آزادی کے ساتھ ادا کرتی تھی جسکی مثال ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے۔ اسکا جو وقت امور تذکرہ بالا کی تکمیل کے بعد باقی رہتا وہ یا تو انتظام خانہ داری اور تیمور کی خدمت میں صرف ہوتا یا مختلف علوم کی کتب بینی میں اس وقت اسکی سب سے بڑی یادگار و کتابیں ہیں جو اس نے امیر تیمور کے انتقال کے بعد قسطنطنیہ میں رکھ کر بڑی محنت اور جان بکھاہی سے لکھی ہیں اور جن سے اس کی ذاتی قابلیتوں اور فطری لیاقتوں کا کافی ثبوت مل سکتا ہے۔ ایک کتاب کا نام ترکی خواتین ہے اور دوسری کا نام امیر تیمور کی فتوحات ہند یہ دونوں کتابیں درمل اسکے ان سفری مشاہدات اور کتب بینی کی تحقیقات کا نتیجہ ہیں جن پر وہ وقتاً فوقتاً نوٹ کرتی گئی تھی۔

ترکی خواتین کی تاریخ بہت بڑی ضخیم کتاب ہے اس میں بالخصوص ترکی شرفا کی خواتین کے اخلاق و عادات طرز معاشرت مقامی تعلقات اور باہمی میل جول شائستگی و تہذیب۔ اپنے شوہروں کے ساتھ محبتانہ برتاؤ۔ انتظام خانہ داری کی کیفیت یہ تمام باتیں نہایت تفصیل کے ساتھ لکھی ہیں۔ اور یہ بھی بتایا ہے کہ عورتوں کو عموماً کونسی باتیں اختیار کرنی چاہئیں جسے انکی خانہ داری کی انتظامیہ کیفیت بوجہ امن تکمیل پائے۔ اور وہ کون باتیں ہیں جسکے ذریعہ سے عورتیں اپنی بھلبلیوں اور مصیبتوں میں امتیازیہ نظر سے دیکھی جانیکے قابل ہو سکتی ہیں اور انکے خاوند انھیں ہمیشہ عزیز رکھ سکتے ہیں۔

دوسری کتاب جسکا نام تیمور کی فتوحات ہند ہے ایک نہایت ہی عجیب و غریب اور پرمیش تاریخی خزانہ ہے۔ اسکے اول حصہ میں حمیدہ بانو بیگم نے ان مورخوں کے متعصبانہ اور جاہلانہ اعتراضوں اور بزدلانہ حملوں کے نہایت متانت اور سنجیدگی کے ساتھ معقول جوابات دئے ہیں۔ جنہوں نے ابتدائے فتوحات

سے امیر تیموریہ کی نتیجہ خیز پالیسی پر حملے کئے ہیں جو دلچسپ اور تعجب ناک واقعات  
 تیمور کے متعلق ہمیں درج ہیں۔ کسی اور تاریخ میں بہت کم دیکھے گئے ہیں۔ اس  
 کتاب کے تقریباً تین حصوں میں تو تیمور کے عادات و اخلاق اور تمدنی و ملکی حالات  
 اور اس کے معاشرتی طرز پر بحث کی گئی ہے۔ اور آخری حصہ میں حمیدہ بانو بیگم  
 نے نہایت ہی محفل طور پر اپنی تاریخ زندگی کے واقعات درج کئے ہیں ان دنوں  
 کتابوں کا اول فرانسیسی زبان میں ترجمہ کیا گیا۔ اور پھر فرانسیسی سے مختلف زبانوں  
 کے قوالب میں ڈھالی گئیں حمیدہ بانو بیگم کی طبیعت سینے پر رونے کی طرف مائل  
 نہ تھی۔ کیونکہ بچپن کے زمانہ سے اس وقت تک اُسے اس طرف کبھی توجہ نہیں دلائی  
 گئی نہ کبھی اُسے اسکی ضرورت پڑی۔ البتہ زرہ بکترنا نا خوب جانتی تھی شہنشاہ  
 تیمور جب زرہ بکتر معرکہ آرائی کے وقت استعمال میں لاتا تھا وہ سب اسی کے  
 ہاتھ کی بنائی ہوئی ہوتی تھیں۔

حمیدہ بانو بیگم بیشک اسلامی خوشنما دنیا میں داخل ہو چکی تھی مگر اصول اسلام کی  
 پابندی میں سرگرم اور مستعد نہ تھی نہ چنگا نہ نماز جو اسلام کا کرنِ عظم بلکہ اسکی اصل  
 اور جبر قرار دی گئی ہے یہ کبھی نہیں بھی پابندی اور قید کے ساتھ ادا نہ کرتی تھی  
 اور سب سے زیادہ تعجب ناک بات یہ ہے کہ وہ باوجود مسلمان ہونے کے بھی  
 کبھی کبھی حالت تنہائی میں اپنے سابق مذہب زرتشتی پر مائل ہو جاتی اور حقیقت  
 جہاڑ کر آتش پرستی پر محو ہو جاتی تھی۔ گویا اسلامی حالت میں بھی زرتشتی مذہب  
 کی محبت کے لئے اُسکے دل میں خاطر خواہ جگہ باقی تھی۔ اس بات کا پورا اور کافی  
 اندازہ کہ حمیدہ بانو بیگم کے دل میں مذہب زرتشت کی محبت کا معمولی اثر اسلام کے  
 بعد بھی موجود تھا اسی کے ایک خط سے ہو سکتا ہے جو اسنے ایک مشہور و معروف  
 سردار آتش پرست کے نام لکھا تھا اور جس میں اسنے تمام مذہبی خیالات بڑی آناد

کے ساتھ بر ملا کر دئے تھے۔ چونکہ ناظرین کی دلچسپی کے لئے اس خط میں ایک قسم کا خاص تعلق ہے اسلئے ہم اس خط کو یہاں نقل کرنا خالی از لطف نہیں خیال کرتے وہ لکھتی ہے کہ

”جناب کا خط مجھے پہنچا۔ حضور نے جو میری انقلاب حالت اور موجود خیالات پر مائل و افسوس ظاہر کیا ہے میں نہیں سمجھتی کہ اس کا کیا جواب دوں۔ آپ کا یہ تحریر کرنا کہ میں امیر تیمور کی بیگم بنکر اسلامی دنیا میں داخل ہوئی یقینی طور پر نادرست ہے شہنشاہ تیمور کی بیگم بننے سے پیشتر ہی نہ کسی کے کہنے سننے یا جبر و طمع سے بلکہ خود اپنی مرضی اور طبیعت سے مسلمان ہو چکی تھی۔ اب رہی یہ بات کہ لڑکیوں مسلمان ہو گئی اور مذہب اسلام میں کنسی ایسی خوبی اور قابل تعریف بات دیکھی جس پر توفیقینہ ہو کر مقدس زرتشت اور اس کے قدیم مذہب سے کنارہ کش ہو گئی۔ نہایت ہی نازک اور وقت آفریں ہے۔ جس کے جواب میں بجز اس کے اور کیا کہہ سکتی ہوں کہ میرے دل کا طبی میلان خود بخود اس طرف ہو گیا۔ اور دل پر کبھی کسی انسان کا بس نہیں چل سکتا باقی رہا یہ سوال کہ زرتشت کی محبت و عزت کا اثر میرے دل میں باقی ہے کہ نہیں اور مذہب آتش پرستی کی وقعت میری نگاہ میں ہے یا نہیں۔ اس کے جواب میں میں آپ کو یقین دلاتی اور خدا کو گواہ کر کے کہتی ہوں کہ میں اب بھی زرتشت کی ویسی ہی عظمت کرتی ہوں جیسے زمانہ سابق میں کرتی تھی اور مذہب آتش پرستی کی وہی وقعت میرے دلیں ہے جو پہلے تھی“

حمیدہ بانو بیگم کی خوبصورت اور روشن تصویر میں یہ ایک ایسا تاریک اور بد نما پہلو



ہے جس سے اسلامی مورخوں کی نگاہ میں اسکا اسلام مشتبہ نظر آتا ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ بعض عربی تاریخوں میں اسے ملحدانہ اور نچرل خیالات کی عورت بتایا گیا ہے لیکن بالاینہہ میں اس امر کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ حمیدہ بانو بیگم اپنے زمانہ کی ایک نہایت ہی فلیق اور متواضع اور باحیا اور رنجاع عورت تھی اور اسے ہر قسم کے علوم و فنون سے بڑی دلچسپی مائل تھی۔

حمیدہ بانو بیگم کی تاریخ زندگی میں بہت سے اس قسم کے واقعات دیکھے جاتے ہیں جو نہ صرف اسکی یادگار کے ذرائع ہیں بلکہ سترنا پاجہر ناک اور نصیحت انگیز ہیں جسے صاف واضح ہوتا ہے کہ اگر آدمی ہر خطر ناک موقع پر استقلال اور بہمت کو استعمال میں لائے تو اپنے مقاصد میں کبھی ناکامیاب نہو سب سے بڑا مشہور اور قابل الذکر واقعہ قلعہ اصطخر کی عظیم الشان مہم اور خونخوار معرکہ آرائی ہے جو سلطان تیمور کی زندگی ہی میں پیش آئی اور حمیدہ بانو بیگم کی مروانہ بہمت سے سرہولی قلعہ اصطخر کا گورنر ایک شخص شریف حسن نامی تھا جو تیمور کی طرف سے اس پر قابضانہ تصرف رکھتا تھا۔ ابتدا میں اگرچہ یہ ایک سید ہا سادہ شریف آدمی معلوم ہوتا تھا۔ مگر جو ہی اصطخر کا گورنر مقرر ہوا۔ اس نے اپنے ہاتھ پاؤں پہلائے اور بغاوت پر آمادہ ہو گیا۔ عربی مورخوں کا بیان ہے کہ شریف حسن دراصل بڑا ہی چالاک اور فیر سی تھا جو اپنی شریرانہ نفسی اور باجیانہ اخلاق سے تیمور جیسے سنجیدہ شہنشاہ کے ماتحت رہنا پسند نہ کرتا تھا۔ اور متقل طور پر اصطخر کی حکومت اپنے قبضہ میں لانا چاہتا تھا شدہ شدہ اسنے اپنے بعض خود سرندیوں کی جرأت اور شہتال دلانے سے ہاتھ پاؤں پہلائے اور بغاوت کی آگ بہرکانے میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کوشش کی۔

حمیدہ بانو بیگم اس بہادر فوج کو ساتھ لیکر قلعہ اصطخر کی طرف روانہ ہوئی۔ اور وہاں پہنچتے ہی غافل دشمن کا محاصرہ کر لیا محاصرہ کے بعد ایک خط اپنے قلم سے لکھا اور شریف حسن

کی طرف روانہ کیا خط کا مضمون یہ تھا۔

”شریف جن کو معلوم ہو کہ مجھے جو یہ بغاوت و سرکشی کی آگ بھڑکانی چاہا نہیں کیا۔ میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ اگر تم اب بھی اپنی اس سرکشی اور خود سری سے باز آئے تو ہندوستانہ تیمور کے نزدیک تمہاری ویسی ہی توفیر عظمت تسلیم کیا جائیگی جیسی اس سے پیشتر تسلیم کی جاتی تھی۔ اگر تم نے صرف بعض مغرور اور نخوت پسند اشخاص کے اشتغال طبع سے اس آگ کے بھڑکانے کی کوشش کی تو پھر تم خوب سمجھ لینا کہ بغاوت و سرکشی کا نتیجہ تمہارے بہت جلد مل جائیگا۔ تمہارے ساتھیوں کی مغرورانہ گردنیں تو بڑ کر زمین پر ڈال دی جائیں گی اور تمہارا تن بے سربادروں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پاش پاش اور چورچمرد دیا جائیگا۔ اگرچہ میں عورت ذات ہوں لیکن اپنا ارادہ کی پوری ہوں۔ میں نے مصمم قصد کر لیا ہے کہ جیتک جسم میں روح باقی ہے لڑائی سے منہ نہ موڑوں گی۔ اور تا وقتیکہ تمہاری نیش گھوڑوں کے سموں کی روند میں نہ دیکھ لوں گی صلح پر آمادہ نہ ہوں گی میں مخلوق خدا کی خونریزی سے اپنی خوشخوار تلوار کو زینیں کرنا ناپسند جانتی ہوں اور یہی وجہ ہے کہ با مراد تم سے کہتی ہوں کہ اپنی اس غلط کاری اور ناعاقبت اندیشی پر متنبہ ہو جاؤ۔ باقی والسلام“

جوں ہی شریف جن کے پاس یہ خط پہنچا اسے حمیدہ بانو بیگم کو دیکھ کر دیے گا چاہا خاصا موقع مل گیا۔ اسی وقت ایک بجاہت آمیز عرضی حمیدہ بانو بیگم کی خدمت میں باہیں مضمون روانہ کی آپ کے غلام کا سر حاضر ہے چاہے اسے تلوار سے کاٹ کر قراک میں باندھنے چاہے تلخ بخشی کیے۔ خدا گواہ ہے کہ نہیں باغی ہوں نہ میں نے بغاوت کی آگ جھڑکانے میں کوشش کی ہے۔ البتہ بعض پیچیدہ معاملات ایسے درپیش ہیں

جنہوں نے میری بناوٹ کا مصنوعی اعلان دیدیا ہے اور بالفرض اگر مجھ گردن زدنی سے کوئی اس قسم کی بات وقوع میں بھی آئی ہو تو میں اسکی معافی کی درخواست کرتا ہوں۔ غلام سے یہ کبھی نہ ہو سکے گا کہ آپ کی حکم عدولی کرے یا فرمان حضور سے سر مو تجاوڑ کر جائے۔ کل حضور کے لئے قلعہ کا دروازہ کھول دیا جائے گا۔ اور غلام بھی دست بستہ حاضر خدمت ہو گا۔

حمیدہ بانو بیگم شریف حسن کا یہ جواب پاتے ہی اپنی خوش نصیبی پر اٹھ چلی پڑی اور سمجھی کہ قہقاریا کے بعد تیمور کی نظروں میں میری اور بھی عظمت زیادہ ہوگی۔ لیکن افسوس یہ اسکی خوشی عارضی اور بہت تھوڑی دیر کے لئے تھی۔ حمیدہ بانو بیگم تو بہر بھی عبرت تھی خواہ کوئی کیسا ہی جہان دیدہ اور تجربہ کار مرد ہو تا فرور ایسے موقع پر دھوکے میں پڑ جاتا و حقیقت اگر حمیدہ بانو بیگم شریف حسن کی ان چکنی چڑی باتوں پر نہ جاتی اور خود اسی طرح ہوشیار رہتی تو جن مشکلوں اور مصیبتوں کا اُسے آئندہ سامنا کرنا پڑا ہے اُن سے بچ جاتی۔

شریف حسن کی اس عرضی سے تیموری لشکر سے اور خود میدان مغز حمیدہ بانو بیگم کو کافی اطمینان ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ رات کو ساری فوج باطمینان پڑی سوتی تھی اور جو لوگ خاص حمیدہ بانو بیگم کے خیمہ کے پہرہ دار تھے وہ بھی نیجری اور غفلت کی حالت میں تھے۔ ایسی نیجری اور غفلت کے وقت شریف حسن نے ایک بہت بڑا زبردست شکنجہ مارا رات کے ٹھیک دو بجے جبکہ چاروں طرف تاریکی اور خاموشی کا ستار چھایا ہوا تھا۔ یعنی فوج نیجروں پر حملہ آور ہوئی۔ خوش قسمتی سے حمیدہ بانو بیگم اس وقت امیر تیمور کے نام خط لکھ رہی تھی کہ دفعۃً گھوڑوں کے سموں کی خونناک آوازیں کان میں پہنچیں۔ اسے فوراً اپنے پہرہ دار کو لٹکار کر آواز دی کہ یہ گھوڑوں کے ٹاپوں کی کیسی آواز ہے۔ پہرہ والے سپاہی نے بہرائی ہوئی آوازیں کہا حضور فریاد اور

دغا باز غنیم کی فوج آہنچی۔ سپاہی کی اس دہشتناک آواز سے حمیدہ بانو بیگم کے آئے  
 حواس جاتے رہے اور اب وہ اپنے پریشان حواس کو جمع کر کے مسلح ہونے پر مستعد ہو گئی  
 ہنوز فوجی لباس سے آراستہ نہ ہوئی تھی کہ شریف حسن کی فوج نے اُسکے خیمہ کا محاصرہ کر لیا  
 اب پہرہ والا نہایت خوفناک آوازیں چلا یا کہ غنیم نے خیمہ کو بھی گھیر لیا۔ یہ سنتے ہی  
 حمیدہ بانو بیگم کے اوسان جاتے رہے اور اُس نے یقین کر لیا کہ بس اب تھوڑی دیر میں  
 دشمن کے ہاتھیں گرفتار کر لیجاؤ گی۔ مگر پہرہ بھی وہ اپنی جو اندری اور فراخ چٹنگی سے  
 اپنی اُسی مردانہ ہمت اور بیشل استقلال پر قائم رہی فوراً مسلح ہو کر خیمہ سے باہر نکل دیکھا  
 کہ میری ساری فوج غفلت میں قتل ہو رہی ہے اور غنیم کی فوج کے ایک بڑے دستہ  
 نے میرا خیمہ گھیر لیا ہے۔ اسوقت حمیدہ بانو بیگم بالکل تنہا تھی اور کوئی اُسکا یا ورنہ تھا  
 یہ ایک ہی مصیبت کا وقت تھا کہ کیسا ہی بہادر اور شجاع شخص ہوتا اسے اپنی جان بچا کر  
 بھاگتے ہی بن پڑتا۔ لیکن اس بہادر خاتون کی حمیت نے گوارا نہیں کیا کہ یہاں سے  
 بھاگ کر چلی جائے اور تمام لشکر کو گھیرے لکڑی کی طرح کٹوا ڈالے۔ اس نے نہایت  
 استقلال سے للکار کر آواز دی کہ اوفری اور دغا باز شریف حسن! کہہ رہے سامنے  
 آ اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھا۔ یہ سن کر ایک نوجوان سوار جو شریف حسن کا بڑا  
 بیٹا تھا آگے بڑھا اور گستاخانہ آوازیں کہا بیگم صاحبہ آپ محاصرہ میں آچکی ہیں اب  
 آپ کا جانبر ہونا مشکل اور بہت مشکل ہے۔ اگر آپ مجھے بجائے اپنے شوہر کے  
 سمجھیں تو ابھی محاصرہ اٹھا دیا جائے اور آپ کو عزت و توقیر سے قلعہ صطخر کی حکومت  
 دیدی جائے۔ اس بات پر حمیدہ بانو بیگم بہت ہی بروہم ہوئی اور فوراً ترکش سے  
 ایک تیر نکال کر ایسا مارا کہ وہ گھوڑے سے پیچھے آ رہا۔ اسی اثنا میں حمیدہ بانو بیگم نے  
 اپنی باڈی گارڈ کو زور سے آواز دی۔ باڈی گارڈ کے سپاہی تعداد میں کل پانسو  
 تھے جو اس خوفناک میدان میں اپنی بیگم کو چاروں طرف دیکھتے پھرتے تھے حمیدہ بانو بیگم

اس آوازیں ناکامیاب ہوئی۔ دوسری آواز دینے کا ارادہ تھا کہ شریف جن ایک زبردست سواروں کے گروہ سے اس تہا عورت پر آپڑا۔ درحقیقت یہ ایک نہایت نامردی اور بزدلی کا حملہ تھا جو شریف جن نے حمیدہ بانو بیگم پر کیا مگر وہ اسے حمیدہ بانو بیگم تیرا استقلال کہ کس بخیدگی اور شجاعت سے آگے بڑھی اور مخالفت کی اس کثیر التعداد فوج سے مقابلہ کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی۔

شریف جن نے اپنی فوج کو حکم دیدیا تھا کہ جہاں تک بن پڑے اس بہادر خاتون کو زندہ گرفتار کر لیا جائے اور تا وقتیکہ میں حکم نہ دوں کوئی حملہ آور نہ ہو۔ یہ حکم حمیدہ بانو بیگم کے حق میں بہت ہی اچھا تھا۔ ورنہ اگر باغی فوج کا ایک زبردست دستہ اسپر تیر برساتا ہو اخلہ کرتا تو تھا حمیدہ بانو بیگم کا نام نشان بھی نہ پایا جاتا۔ حمیدہ بانو بیگم نے باغی فوج کا ایک گروہ اپنی طرف بڑھتے دیکھا تو گھوڑے کی باگیں روک کر کہری ہو گئی۔ اور جب فوج اسپر حملہ آور ہو نیسے متنازل ہوئی تو اسے تعجب ہوا۔ لیکن فوراً تاڑ گئی کہ ان کا منشا مجھے زندہ گرفتار کرنے کا ہے۔ یہ خیال کر کے خود اپنے حملہ کرنا چاہتی تھی کہ شریف جن نے دہشتناکی سے اپنے سواروں کو آواز دی کہ اے بہادر وادہر آؤ۔ دشمن کی فوج نے میرا محاصرہ کر لیا۔ ان کا پریشان ہو کر واپس پھرنا تھا کہ حمیدہ بانو بیگم نے جہٹ پشت کی طرف سے باغی فوج پر حملہ کیا۔ اور برعرب آوازیں حج کر کہا۔ اور فریاد ہو شیار ہو جاؤ۔ تمہارے فریب اور دھوکے کا نتیجہ ابھی ظاہر ہوا جاتا ہے۔ دیکھو میری مدد کیلئے اور یہی فوج پہنچ گئی ہے۔ وہ وقت نہایت ہی پر جوش تھا جبکہ حمیدہ بانو بیگم نے چلا کر یہ لفظ زبان سے نکالے تھے۔

ادھر تو شریف جن کی فوج میں اضطراب اور پریشانی پھیل گئی اور حمیدہ بانو بیگم کی فوج سب طرف سے سمت سمتا کر جنگ پر آمادہ ہو گئی۔ حمیدہ بانو بیگم حریف کی فوج میں گہس پڑی اُسنے بہت سے آدمیوں کو اپنی خوشخوار تلوار سے مار کے گرا دیا اور جو

قریب آیا موت کے گڑھے میں جا پڑا۔ دشمنوں کا غول پھٹ گیا، اور گھسان کی لڑائی ہونے لگی۔ صبح تک برابر جنگ ہوتی رہی۔ حمیدہ بانو بیگم زخموں سے چور چور ہو گئی مگر بڑی خوش قسمتی کی بات ہے کہ انجام کار حمیدہ بانو بیگم ہی کو فستق نصیب ہوئی۔

حمیدہ بانو بیگم کو زخموں نے اس درجہ مجبور کر دیا تھا کہ وہ محاصرہ کے اٹھا دینے پر راضی ہو گئی۔ چنانچہ اسے فوج کو کوچ کا حکم دیا اور وہاں سے ہٹ کر تیس میل کے فاصلہ پر موضع سلطانہ میں آ پڑی۔ یہاں زخموں کا علاج کرایا اور سخت تکلیف کے بعد چند روز میں اچھی ہو گئی۔ اگرچہ اس شخص میں حمیدہ بانو بیگم کے تین ہزار پیدل قتل کئے گئے اور کچھ زخمی ہو گئے تھے۔ مگر چونکہ ہنوز سامان رسد اس کے پاس کافی تھا اسلئے اس جو شیلی اور اولوالعزم خاتون نے پہر قلعہ صطخر کی طرف رخ کیا اور قلعے کے قریب پہنچتے ہی چھ سات میل کے فاصلہ سے باغی فوج سے مقابلہ کیا دس روز تک بڑی گھسان کی لڑائی رہی اور گیارہویں دن حمیدہ خانہ نے قلعہ فتح کر لیا۔ شریف حسن عین میدان جنگ میں قتل ہوا۔ اور انکی بیوی بچے زندہ گرفتار ہو گئے حمیدہ نے انکے ساتھ رحمانہ برتاؤ برتا اور قلعہ صطخر اپنے ایک مقرب فوجی افسر کی تفویض میں کر کے تیمور کے پاس جا پہنچی۔

حمیدہ بانو بیگم کے علاوہ تیمور کی تین بیگمیں اور بھی تھیں جیسا کہ ہم اوپر بیان کر آئے ہیں۔ لیکن وہ بیگمیں تیمور کی زندگی ہی میں انتقال کر گئی تھیں صرف حمیدہ اور خیر النساء بیگم اس کے بعد زندہ رہی ہیں۔ جب تیمور بیمار پڑا اور روز بروز انکی بڑی حالت ہوتی گئی۔ تو حمیدہ بانو نے تیمور سے کہا۔ حضور! میرے لئے کیا ارشاد ہے۔ تیمور ہر چونکہ جاں گدنی کی سختی طاری تھی اسلئے اس نے حمیدہ بانو کی اس بات کا خدا کوئی جواب نہیں دیا۔ لیکن بہت تھوڑے عرصہ کے بعد اس

نے اپنے گئے ہوئے حواس بجا کر کہہ کیا۔ پیاری حمیدہ! میں اپنی زندگی ہی میں  
 حکم دیتا ہوں کہ میرے انتقال کے بعد تم تخت نشین کیاؤ۔ لیکن جب تیمور کا انتقال ہوا  
 تو حمیدہ بانو بیگم کا سوتیلا بیٹا میرا شاہ ایک خونخوار کشت و خون کے بعد سلطان  
 بنا یا گیا اسوقت یہ بہادر فاتح بہت سارے جوانوں کے ساتھ لیکر سیدی شہر طغلس  
 کو چلی گئی۔ شہر سمرقند سے ۶۳ میل کے فاصلہ پر ایک شہر انزار نام آباد ہے  
 جہاں امیر تیمور بیمار پڑا اور وہیں انتقال کر لیا۔ اس کا مقبرہ سمرقند میں ہے  
 تیمور نے ۶۳ برس فرمانروائی کی۔ اور ۳۷ برس میں اکثر برس کی عمر کو پہنچ کر  
 راہ خفایں گامزن ہونے پر مجبور ہوا امیر تیمور کی تاریخ ولادت اور تاریخ سلطنت  
 نیز تاریخ وفات یہ سب باتیں فیل کی رباعی سے ظاہر ہوتی ہیں۔ رباعی  
 سلطان تیمر آنکہ مثل او شاہ بنود در ہفت صدوی شش آمد بود۔  
 و در ہفت صد و ہفتاد و یک کرد جلوس در ہشت صد و ہفت کرد عالم پدر  
 حمیدہ بانو بیگم کے ہاں تیمور سے سات بچے ہوئے لیکن وہ سب کے سب شیر خوار  
 ہی کی حالت میں مر گئے۔ کوئی بال بچہ نہ تھا جس سے اس کا دل بھٹتا۔ اب بے  
 روز کتب بینی کے علاوہ اس کا اور کوئی مشغلہ نہ تھا۔ جس طرح تیمور کے ہاں اسے  
 کبھی پردہ نہیں کیا۔ اسی طرح اب بھی ہنایت آزادی کے ساتھ باغوں جنگلوں  
 بازاروں میں گھومتے پر سوار ہو کر سیر کرتی پھرتی تھی اگرچہ بعض بعض خود غرض  
 لوگوں نے میراں شاہ سے وق ہو کر حمیدہ کے پاس متواتر اور پے درپے  
 بہت سی عرضیاں بایں مضمون بھیجیں کہ اگر آپ دسترف تشریف لائیںکا امداد  
 کریں تو ہم میراں شاہ کو قتل کر کے تیمور کی وصیت کے موافق آپ کو بھٹانہ  
 بنائیں مگر اس فیاض فاتح نے سلطنت کی پروانہ کی اور انہیں صاف  
 لکھ دیا کہ اگر دین و دنیا کی سرخروئی چاہتے ہو تو اپنے آقا کے حکم پر گردن

تسلیم خیم کے رہو۔

الغرض حمیدہ بانو بیگم ایک عرصہ تک طغلس میں قیام پذیر رہی اور وہاں کا خوشنما منظر اسے بہت بہلا معلوم ہوا اُسے مہم ارادہ کر لیا کہ حیات مستعار کا باقی ماندہ حصہ نہیں صرف کروں اور اسی خیال سے اُس نے کوہ کمری پر اپنی بساست کے لئے ایک نہایت عالیشان اور خوشنما عمارت تیار کرانی لیکن خوبی قیمت سے یہاں چند ایسے یہ حیدہ معاملات پیش آئے اور بہت سی ایسی نفرت انگیز خبروں نے حمیدہ کی نسبت اشاعت پائی جس سے حمیدہ بانو کو مجبوراً طغلس چھوڑ کر باطوم جانا پڑا اور پہرہ وہاں بھی لوگوں نے اُسے چین سے بیٹھنے نہ دیا۔ انجام کار یہ باطوم میں بھی نہ ٹھہری اور سیدی قسطنطنیہ روانہ ہو گئی اور یہیں اسکا انتقال ہوا۔

جو وقت حمیدہ بانو بیگم کا انتقال ہوا تو زور و جواہر اور نقد و جنس سے اُسکے پاس کچھ باقی نہ رہا۔ البتہ ایک بہت بڑا کتب خانہ جو مرتے وقت وقف کر گئی تھی۔ اس کتب خانہ میں مختلف علوم کی پونے دو لاکھ کتابیں موجود تھیں جن میں زیادہ تعداد ان کتابوں کی تھی جو علم ہیئت اور تاریخ سے تعلق رکھتی ہیں۔ اس مشہور اور فیاض خاتون کی عمر کا پیمانہ پورے ۶۱ برس کی مدت میں لبریز ہو کر چمک گیا تین روز کے معمولی بخار نے اُس جفاکش کی قابل رحم روح کو اپنی خالق مٹھی میں دبا لیا اور اُسے مجبوراً راہ فنا کا رستہ طے کرنا پڑا۔

اگرچہ ہمارے اس تذکرے سے میراں شاہ کے قصہ کو کسی خاص قسم کا تعلق نہیں ہے لیکن چونکہ اُنکی والدہ کے تذکرہ میں ہماری تاریخ کا بہت کچھ حصہ شامل ہے اس لئے یہاں نہایت اختصار کے ساتھ ہم اسکا قصہ درج کرتے ہیں۔ یہی ماکام

فخر النساء سلیم



## فخر النساء بیگم

تھا جو عربی اہل اور صوبہ سینا کی باشندہ تھی۔ ابھی انہی آٹھ سال کی عمر تھی کہ اسکے والدین نے قاہرہ کے ایک امیر کبیر شہزادہ سے اسکا نکاح کر دیا تھا۔ لیکن بالغ ہونے کے بعد اسے اپنے شوہر کی نسبت اپنی مرضی ظاہر کی اور والدین سے کہا کہ میرا دل اس شہزادہ کی صحبت سے نفرت کرتا ہے بہتر ہے کہ مجھے اس سے علیحدہ کر دیا جائے والدین میں سے کسی نے اس کے اس خیال کی تائید نہ کی اور یہ مجبوراً وہاں سے فرار ہو کر اسکندریہ میں آئی۔ یہاں قاضی کی مدد سے غلامداری کا خلافت دعوہ کیا۔ اور بڑی شکل سزا دہی چاہی کی۔ اس کے بعد فخر النساء بیگم نے اپنی مرضی کے موافق ایک خاندانی نفٹ سے نکاح کیا جس سے اس کے ہاں تین لڑکے پیدا ہوئے دو تو شیرخواری ہی میں مر گئے لیکن ایک بچہ زندہ رہا ابھی یہ بچہ ہی تھا کہ اس کے باپ کو ایک ہم پر جانے کا اتفاق پڑا چونکہ نفٹ کو اپنے پیارے اور ہونہار بچے سے بیکہ محبت تھی لہذا وہ اس جنگ میں اسے بھی اپنے ہمراہ لے گیا یہاں پہنچ کر نفٹ تو قتل کیا گیا اور بچہ کا کہیں پتہ نہ لگا۔ فخر النساء کو اس حادثے سے سخت صدمہ پہنچا اور وہ ایک عجیب حالت پریشانی میں پھر اپنے اہل وطن میں آئی اور یہاں سے کراچی۔ کراچی سے حیدرآباد ہوتی ہوئی اور مختلف شہروں سے گزرتی ہوئی ملتان آئی تھوڑے روز ملتان میں قیام پذیر ہو کر لاہور پہنچی اور یہاں سے افغانستان کے شہروں کی طرف روانہ ہوئی۔ گو کسی مورخ نے اس بات کو صاف طور سے بیان نہیں کیا کہ فخر النساء کی تیمورتگ کیونکر رسائی ہوئی لیکن یہ بات عربی اور فارسی تاریخوں سے یقینی طور پر ثابت ہوتی ہے کہ وہ تیموری محل میں داخل ہوئی اور اپنی حسن لیاقت اور بیدار مغزی سے چند ہی روز میں تیمور کی سب سے چاہیتی اور پیاری بیویوں میں شمار کی جانے لگی۔ فخر النساء بیگم کے ہاں تیمور سے تین لڑکے اور چار لڑکیاں پیدا ہوئیں

میراں شاہ جو تیمور کے انتقال کے بعد تخت نشین ہوا اسی روش و مانع اور تجربہ کار بیگم کے بطن سے پیدا ہوا تھا۔ یہ بیگم اپنے مذہبی عقائد اور احکامات کی بڑی پابند تھی اسکا عام دستور تھا کہ صبح کی نماز پڑھ کر قرآن مجید پڑھا کرتی اور پردن آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہاتی یہ خود بھی صوم و صلاۃ کی بڑی پابند تھی اور اس سے بے انتہا خوش ہوتی تھی جو روزہ نماز کو ہمیشہ پابندی اور قید کے ساتھ ادا کیا کرتا تھا۔ فخر النساء بیگم کی تاریخ زندگی میں یہ بات نہایت قابل تعریف ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ ہمیشہ فیاضانہ اور رحمانہ برتاؤ برتی تھی غریبوں کے ساتھ بہت سلوک کرتی اور اکثر اپنے متعلقین اور تیمور کے مصاحبوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کردیتی اس فیاضی اور سخاوت کی وجہ سے اسنے عام لوگوں میں ہر دلعزیزی پیدا کر لی تھی اور اپنے بہت سے دوست اور جان نثار بنائے تھے۔ گو اس بیگم میں بظاہر کوئی ایسی دلفریب ادا اور فطری کرشمہ نہ تھا لیکن اسکی باطنی خوبصورتی و حسن پر تیمور جیسا سنجیدہ اور متین بادشاہ سوجان سے فریفتہ تھا افسوس اس بیگم کی عمر نے زیادہ وفانہ کی اور تیمور کے انتقال کے چند ہی روز بعد یہ بھی انتقال کر گئی۔

جب اس عصمت آمیز خاتون کے انتقال کا وقت قریب ہوا تو اپنے بیٹے میراں شاہ کو وصیت کی کہ بیٹا اگر تیری بہنیں نکاح کرنے پر آمادہ ہوں تو انہیں ان ہی کی مرضی اور طبیعت پر چھوڑ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تو انہیں ان کے خیالات میں پابند کرے اور ان کے منشا کے خلاف جبر سے کام لے اور اگر نکاح پر ان کی آمادگی نہ دیکھے تو کنیت بھی اسکا حکم نہ کیجیو میراں شاہ نے اپنی مہربان ماں کی وصیت گوش ہوش سے سنی اور اس پر عامل ہونے کا اسے کافی یقین دلایا۔

امیر تیمور کے بعد میرزا میراں شاہ جو تیمور کا تیسرا لڑکا تھا تخت نشین ہوا۔ یہ شہزادہ ۱۳۷۷ء میں فخر النساء بیگم سے پیدا ہوا اور اپنے والد بزرگوار کے عہد زندگی میں اپنی خداداد

عقل اور فطری لیاقت سے فرمانروائے آذربایجان مقرر ہوا جو اصل میں ہلاک خواں کا دار السلطنت تھا مگر چونکہ آذربایجان کی آب و ہوا اسے ناموافق آئی اس لئے یہ اپنے چھوٹے لڑکے مرزا ابوبکر کو یہاں چھوڑ کر تبریز چلا گیا۔

جب ایمر تیمور کے انتقال کی خبر آذربایجان میں پہنچی تو میرزا ابوبکر نے اپنے والد کے نام خطبہ پڑھا اور اب سب جگہ میرزا میراں شاہ کے سکے نے رواج پالیا میرزا میراں شاہ بین عالم شباب یعنی اہم سال کی عمر میں انتقال کر گیا اور اس کا مقبرہ تبریز ہی میں بنایا گیا اس کے انتقال کے بعد میرزا سلطان محمد میراں شاہ کا لڑکا سلطان ہوا اور وہ بھی کشت و خون کے بعد قتل کر ڈالا گیا۔

## ارجینی یا عظمت النساء یگم

یہ سلیقہ شعار اور پاکدامن خاتون شہنشاہ تیمور کی تیسری بیگم ہے جو اصل میں ایک برہمنی خاتون تھی جب تیمور ہندوستان پر حملہ آور ہوا ہے اور اپنی خونریز تلوار سے بڑی خونخواری کے ساتھ دہلی کو بے چراغ کر کے میلہ ہردوار پر پہنچا ہے تو وہاں سے جو عورتیں قید ہو کر اس کے دربار میں حاضر کی گئیں ان میں ایک ارجینی خاتون بھی تھی جب تیمور ہردوار پہنچا ہے تو وہاں کا میلہ بڑے عروج پر تھا لاکھوں آدمیوں کا مجمع تھا اور ہزاروں پری جمال اور حسین عورتوں کا جھگسا موجود تھا اس نے اپنے لشکر کے سپہ سالار کو حکم دیا کہ تمام ہردوار میں بیرحمی سے قتل عام کا حکم دے دو ہزاروں بیگناہوں کی گردنیں ڈھڑاؤں سے لگیں اور ترکوں کی خونریز تلواروں سے بڑی بے رحمی کے ساتھ ایک کثیر مخلوق کو قتل کر ڈالا۔

میلہ ہردوار کے قتل عام اور اس کی غارتگری کے بعد جب تیمور وہاں سے لوٹا تو قیدیوں میں ایک ارجینی بھی آئی تیمور کا عام قاعدہ تھا کہ ہر ملک و قوم کی بربادی اور تباہی

کے بعد زندہ گرفتار اُس کے سامنے پیش کئے جاتے تھے اگر ان میں کچھ معذور اور بگیناہ  
اشخاص ہوتے تو تیموران کے ساتھ فیاضانہ اور حیمانہ برتاؤ برت کر چھوڑ دیتا اور جو  
مفرور و سرکش ہوتے اُن کی گردنیں مرواڈالتا اور جولایت و قابل آدمی ہوتے انہیں  
اپنی خدمت کے لئے پسند کرتا تھا چنانچہ اس کے عادت و حکم کے بموجب ہر دوار  
کی گرفتار باندیاں تیمور کے آگے لائی گئیں تو اسکی تجسس آنہ نظریں سب سے پیشتر ارجینی  
پر پڑیں یہ لڑکی اٹھارہ برس کی تھی تیمور نے اسکا اہلی وطن اور حسب نسب دریافت کیا۔

اس ماہ دش اور پیر پچھ لڑکی نے بڑی بیباکی اور سختی کے لہجہ میں کہا شاہ مجھ بد نصیب  
کا نام ارجینی ہے میرا مہربان باپ اور ایک عزیز بھائی دو چا شجاعت کے نمونے  
دکھا کر اور داد و جو انفرادی و دیگر تیری خو خوار لشکر کے ہاتھ سے قتل کئے گئے مجھ بد نصیب  
کا اہلی وطن بنارس ہے اور بلحاظ مذہب ایک معزز خاندان برہمن سے ہوں میں نے  
بنارس کے مدرسہ میں تعلیم پائی ہے اور مجھے سنسکرت میں کامل مہارت حاصل ہے۔  
تیمور ارجینی کی یہ بیباکانہ تقریر سنکر بہت خوش ہوا۔ پوچھا کیا تیری شادی ہوگئی  
ہے ارجینی نے پہلے تو شرم کی وجہ سے گردن نیچی کر لی پھر نہایت باریک آواز میں  
جواب دیا کہ نہیں۔ اُس نے فوراً حکم دیا کہ اُسے شاہی حرم سرا میں داخل کرو۔

محل میں داخل ہوتے ہی امیر تیمور نے اسے عظمت النساء بیگم کا خطاب عطا کیا۔ اس  
کے ماں تین بچے بھی ہوئے جو کم سنی کے زمانہ میں میرزا میراں شاہ فرزند تیمور کے  
مقابلہ میں قتل کر ڈالے گئے۔

## رسالہ اش بانوبیگم

یہ پاکدامن خاتون شہاب الدین محمد شاہ جہاں بادشاہ کی عزیز پوتی اور شہزادہ محمد بخش  
کی پیاری بیٹی ہے حسن و جمال کے علاوہ نہایت متین و سنجیدہ اور پر مغزو روشن دماغ

تھی۔ شاہجہاں نے خاص اپنے اہتمام سے ایک بوڑھی معلمہ جو یہی علوم و فنون میں مہارت کامل رکھتی تھی اور جسے مذہبی علوم میں بڑا درک تھا اس کی تعلیم کے لئے مقرر کی گئی۔ آسائش بانو فارسی زبان کے علاوہ ترکی اور عربی خوب بولتی تھی۔ اسکی عصمت و عفت زہد و عبادت فیاضی و سخاوت کی دہم تمام دارالسلطنت میں پھیلی ہوئی تھی اسے قرآن شریف حفظ یاد تھا اور اپنی خدمت میں اُن ہی کنیزوں کو رکھنا پسند کرتی تھی جو اکثر قرآن خوانی میں مصروف رہتی تھیں آسائش بانو بیگم کو اگر کچھ کام تھا تو وہ صرف قرآن خوانی کا تھا۔ گویا اُس کا محل شہد کے چہتے کی مانند تھا جو ہر وقت قرآن پڑھنے کی صدا سے گونجتا رہتا تھا عموماً شاہی محل میں آزادی تھی۔ ناموشہزادیاں اور شہنشاہ بیگمیں سب ہنسیار بند اور مسلح رہتی تھیں اور چونکہ وہ عین جنگ میں مروجوں کے پہلو یہ پہلو داد و شجاعت دیتی تھیں لہذا انہیں قید کر کے نہ رکھا جاتا تھا۔ آسائش بانو بیگم بھی نہایت آزادی کے ساتھ باغوں اور جنگلوں میں گھوڑے پر چڑھ کر سیر کیا کرتی تھی۔ اس نے اپنی کنیزوں کا اپنے لئے ایک بہادر باڈی گارڈ بنایا تھا۔ اور ان کے لئے زرق برق زرتار کی خوبصورت اور پیر رعب درویاں طیار کرادی تھیں جہاں آسائش بانو بیگم جاتی یہ باڈی گارڈ اُس کے ہمراہ ہوتا تھا۔ اسکی تمدنی اور معاشرتی حالت نہایت عمدہ اور نتیجہ خیز تھی ہاں کسی قدر تیز مزاج اور تند خو ضرور تھی لیکن جس قدر درشت مزاج اور تند خو تھی اُسی قدر باپ کی پیاری اذواں کی لادلی تھی بلکہ اسکی طفلانہ حرکتیں ایسی دلکش اور حیرت بخش تھیں کہ محل کی ہر ایک بیگم وہ ایسی ہی پیاری اور عزیز زمزمی جیسے اپنی حقیقی والدہ کی۔ شاہی حرم سرانے کی شاید ہی کوئی ایسی بیگم ہوگی جو اسے پیارا اور محبت سے اپنے پاس نہ رکھتی ہو۔

گو آسائش بانو کو علمی لیاقت بیسی کہ چاہئے ماس نہ تھی مگر چونکہ اُسکا اکثر وقت علمی اور مذہبی کتابوں کے مطالعہ میں صرف ہوتا تھا اس لئے وہ بغیر استاد کی مدد کے بعض

بعض علم کی تہوڑی تہوڑی باتیں سمجھ جاتی تھی یہی وجہ ہے کہ باوجود اپنی معمولی کتابت کے اکثر بیگمات کی طرز معاشرت پر عالمانہ اعتراض کئے اور جس قدر باتیں خلاف شریعت محل کی مستورات نے اختیار کر لی تھیں سب کو تدریجاً اٹھا دیا۔

آسایش بانو بیگم ابھی نو عمر اور کم سن ہی تھی کہ فلک بجز فتنہ نے اس کے سر پر یہ غضب ڈالیا کہ اسی شفقت بھری ماں کو ہمیشہ کے لئے اُس سے جدا کر دیا۔ عالمگیر اپنی اس بیٹی سے بہت محبت کرتا تھا اور اس کی تسلی و دلجوئی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھتا تھا جب یہ اولو العزم شاہزادی سن بلوغ کو پہنچی تو عالمگیر نے خواجہ محمد صالح ولد خواجہ طاہر نقشبندی کے ساتھ بڑی شان و شوکت اور ترک و امتشام سے اسکی شادی کر دی محمد صالح ایک بڑا بہادر اور شجاع شخص تھا جو ایک مدت تک عالمگیر کی جہاز فوج کا سپہ سالار رہ چکا تھا اور جس نے نہایت خونخوار جنگوں اور خوفناک معرکوں میں اپنی جوانمردی اور بہادری کے جوہر دکھا کر عالمگیر جیسے دلیر اور شجاع بادشاہ کو اپنا رفیقہ کر لیا تھا محمد صالح اور اسکا ماتحت لشکر اپنی جاں بازی اور بہادری میں مشہور تھا یہی وجہ تھی کہ ہر موقع اور محل پر عالی حوصلہ بادشاہ کے دربار سے مختلف جاگیریں اور نقد انعام حاصل کرتا تھا۔ اس نے دکن اور گجرات کی خونریز لڑائیوں میں وہ داؤد شجاعت دی تھی جسے دیکھ کر پڑے پڑے جان نثار اور بہادر لوگ تعجب کرتے تھے علاوہ ازیں وہ ایک شریف خاندان اور معزز پارٹی کا آدمی تھا۔

عالمگیر نے محمد صالح کی یہ خداداد بہادری اور حسن لیاقت دیکھ کر اپنی پیاری بیٹی آسایش بانو کی اُس کے ساتھ شادی کر دی تھی دوسری جمادی الاخریٰ ۱۰۷۸ھ کو اس مبارک تقریب کا جشن منایا گیا اور قاضی عبدالوہاب نے سر بلند خاں اور ملا محمد یعقوب وغیرہ کے ساتھ آسایش بانو بیگم کا نکاح محمد صالح سے باندھ دیا شاہی محل میں معمولی خوشی منائی گئی اور عالمگیر نے محمد صالح کو ایک عربی النسل گھوڑا مع طلائی ساز و سامان

کے اور ایک ہاتھی جس کی پشت پر سونے کی عماری تھی اور معقول جاگیر منصف عطا کیا۔  
شادی کے بعد اُس روز کی سامان کی کیفیت جو آسائش بانو بیگم کے وداع  
کا دن تھا قابل دید اور یادگار روزگار ہے جو ہیز عالمگیر نے آسائش بانو کو دیا تھا  
اُس سے زائد اپنی بیٹیوں کو نہیں دیا تھا نہیں سے اس بات کا پورے طور پر  
اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ عالمگیر آسائش بانو بیگم کو کسی طرح اپنی بیٹیوں سے  
کم نہ سمجھتا تھا۔

آسائش بانو بیگم نے شادی ہوتے ہی شوہر کو ایسا گرویدہ اور مطیع بنالیا تھا کہ وہ  
بدون اس کے مشورہ اور رائے کے خود کوئی کام ہی نہ کرتا تھا اور ہر بات  
میں اسکی دلجوئی اور آسائش مد نظر رکھتا تھا اور یہ اُس کے اعلیٰ درجہ کے علم و  
پر مغزی و روشن دماغی کا نتیجہ تھا لیکن افسوس موت کے تیز و تند جھکڑ نے اس  
تروتازہ اور شاداب پودے کو قبل اس کے کہ خوشہ مراد کی گلچینی سے بہرہ ور  
ہو کر کچھ لطف دنیا حاصل کرے عین عالم شباب میں پتر مردہ کر دیا یعنی یہ عظیم الطبع  
اور سلیم الفطرت شاہزادی شادی کے بعد کل چہ برس زندہ رہی اور چودھویں  
ربیع الثانی ۱۱۸۸ء میں انتقال کر گئی۔

## آغا بیگی

یہ تیز عقل اور روشن دماغ ترک میسر زامیراں شاہ کی بیٹی اور شہنشاہ تیمور کی پوتی تھی  
اس کے چال چلن نہایت شریفانہ اور عادات و اخلاق بالکل مہذبانہ تھے اسکی  
طرز معاشرت ایک نرالی ہی طرز کی تھی اسکی تہذیب میں علوم کی فراوانی نے ایک  
غیر معمولی تیز و تبدیل پیدا کر دیا تھا یہ بیگم جیسے فطرتاً شوخ اور میباک تھی ویسے ہی  
اسے سنجیدگی اور متانت کا حصہ بھی قدرت نے دیدیا تھا۔ اسکا زیادہ وقت

قاموش رہتی تھیں بہلا مکن تھا کہ آغایگی کے سامنے بغیر اس کے دریافت کئے کوئی کچھ بات کہہ سکے۔

آغایگی کی فیاضی اور مخیری بھی قابل تعریف تھی اسکا عام قاعدہ تھا کہ شب و روز اپنے ملازموں اور کینزوں کے ہاتھ غربا اور محتاجوں کو ڈھنڈو ڈھنڈو کر بلاتی اور ہزار ہا روپیہ خیرات کرتی مسافروں کو اپنی فیاضانہ مہمانی سے ہمیشہ خوش رکھتی اور غربا کی نگرانی اپنا فرض منصبی خیال کرتی الغرض امیر کی طرف سے جس قدر روپیہ اسے مامانہ ملتا تھا یہ اپنی فیاضی و سخاوت سے سب اسی قسم کے نیک اور خیراتی کاموں میں صرف کرتی تھی اس مہذب اور فیاض خاتون کی شادی سعد و قاص سے ہوئی جو خاندان تیموریہ اور شرفاؤ گورگانیہ میں ایک نہایت ہی شریف اور باوقار شخص تھا امرائے گورگانیہ میں اس سے بڑھ کر جامع جمیع صفات اور عالم و فاضل ضعیف و بلوغ فیاض و سخی دوسرا کوئی شخص نہ تھا سعد کی لیاقت اور حسن قابلیت کا یہیں سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب آغایگی کی عمر انیس برس کی ہوئی تو مختلف شہزادوں کی طرف سے صد بالنسبتیں آئیں مگر اس نے سب کو ناپسند کیا لیکن جب سعد نے ٹکڑھ کا پیغام دیا تو اس نے فوراً اُسے منظور کر لیا اور شاہی انتظام خاص سے نہایت شان و شوکت کے ساتھ آغایگی کی شادی سعد سے کر دی گئی۔

آغایگی کی شادی کے بہت تھوڑے عرصہ بعد اُسکا مہربان باپ میرزا میران شاہ مین عالم شباب یعنی آٹالیس برس کی عمر میں قلعہ اجل ہو گیا اس سے جو صدمہ اور جاگزنارخ آغایگی کو ہوا قابل بیان اور لائق اظہار نہیں۔ شاہ جہری میں جبکہ قرہ یوسف ترکمان نے سلطانی سرحدات پر حملہ کیا اور بعض ممالک تیموریہ کو غارتگری اور پامالی سے بالکل معدوم اور نیست و نابود کر دیا تو امیر بسطام نامی جو میرزا شاہ رخ ابن شاہ تیمور کی طرف سے قلعہ کا حکمراں تھا



قلعہ کو چھڑ کر بھاگ گیا اور سعد رقص کی امن و پناہ میں چلا گیا مگر سعد نے کسی شبہ پر اسے فوراً قید کر لیا جب میرزا شاہ رخ کو اسکی اطلاع ہوئی تو اس سے سارے جسم میں غصہ کی آگ پھک گئی فوراً سعد کو ایک فرمان بایں مضمون روانہ کیا کہ بسطام کو قید سے رہا کر دیا جائے اور اس سرکشی اور بغاوت انگیزی کی آگ کو یہیں تک کہا جائے اگر تم نے اس آگ کے پھڑکانے میں کوشش کی تو پھر جو بدترین نتیجہ ایک سرکشی باغی کا ہونا چاہئے وہی تمہارا ہونا پڑے۔

میرزا شاہ رخ کا جب یہ فرمان سعد کو پہنچا تو اس کے علم پر گردن تسلیم نہیں کیا اور اس کے خوف سے بسطام کو اپنے ساتھ لیکر تیرہ چلا گیا قرہ یوسف ترکاں جب عراق عجم پر حملہ آور ہوا تو بسطام کو قید سے نجات دی اور ترکہ کی ایک جرار اور بہادر فوج کی سرکردگی میں بسطام کے فرزند اخی فرخ نام کو موقع قتل کی طرف روانہ کیا تاکہ محیط ممکن ہو سکے آغا بیگی کو تبریز میں لے آئے۔

آغا بیگی چونکہ نہایت بیدار و بوشیار عورت تھی اور سربا ت میں ہمیشہ نہایت خرم و احتیاط سے کام لیتی تھی اخی فرخ کے یہاں پہنچے اور قرہ یوسف کے پیام دینے سے فوراً تازگی کہ کچھ دال میں کالا ضرور ہے کیونکہ اُسے معلوم تھا کہ قرہ یوسف نہ صرف اسی کی تنگ ناموس کا دشمن اور غارتگر ہے بلکہ اُس کے معزز خاندان سے سخت عداوت رکھتا ہے۔

جن دنوں میں آغا بیگی کا باپ میرزا میراں شاہ تبریز کے اطراف و جوانب پر حملہ آور ہوا ہے تو اسی قرہ یوسف نے مقابلہ میں آکر اس کا حملہ و کاہے اور انجام کار بڑی خونخوار جنگ اور سخت کشت و فوٹ کے بعد میرزا میراں شاہ قرہ یوسف کے فوج کی خونریز تلواروں سے قتل کر دیا گیا۔

آغا بیگی نے اس عبرتناک واقعہ کو یاد کر کے کسی قدر لپٹ پیش کے بعد جب

انے غلاموں اور کیتروں کو مسلح ہونے کا حکم دیدیا اور خود بھی بدن پر اسلحہ لگا کر آمادہ جنگ و پیکار ہو گئی تھوڑی دیر تک دونوں لشکر خوب دادرہائی دیتے رہے اور دونوں طرف سے بھرتیوں کی جگہ خراش صداؤں کے اور کچھ سنائی نہ دیتا تھا۔

آغا بگی کو چونکہ اپنے باپ کے ساتھ اکثر معرکوں میں شریک ہونے کا موقع مل چکا تھا اور وہ جنگ کے آثار چڑاؤ کو بار بار دیکھ چکی تھی نیز اس دشوار گذار گہائی میں قدم فرسائی کرنے والے کو جو دقتیں اور مصیبتیں پیش آتی ہیں اسے وہ بھی بخوبی معلوم کر چکی تھیں لہذا اس نے اپنے متقل ارادے اور اپنی فراخ حوصلگی سے اس ہم میں وہ کار نمایاں کئے اور جو انفرادی دستہ دی کے وہ جوہر دکھائے کہ اخی فرخ اس کے مقابلہ سے عاجز آگیا اورین میدان جنگ سے بہاگ کھڑا ہوا۔

آغا بگی نے بڑی بہرتی اور چالاکی سے تمام تر اکہ کو گرفتار کر لیا اور ب کے سر اپنی خون آشام تلوار سے کاٹ کر میرزا شاہ رخ کے حضور میں روانہ کر دئے میرزا شاہ رخ نے آغا بگی کی اس شجاعانہ بہادری کی بہت تعریف کی اور ایک خوشنودی کا فرمان جس میں آغا بگی کی نسبت بہت سے تعریفی الفاظ لکھے گئے تھے روانہ کیا تاریخ سے اس بات کا کہیں پتہ چلتا کہ میرزا شاہ رخ کے فرمان کا کیا مضمون تھا اور اس میں کون الفاظ درج تھے لیکن اس ضرورت ثابت ہو گیا ہے کہ جو فرمان خوشنودی آغا بگی کی طرف روانہ کیا گیا تھا اس کا عنوان ذیل کے شعر سے مزین تھا وَلَوْ كَانَ النَّسَاءُ بِمِثْلِ هَذِهِ فَفَضَّلَتِ النَّسَاءَ عَلَى الرِّجَالِ ۛ یعنی اگر آغا بگی جیسی اور بھی عورتیں شجاع اور بہادر ہوتیں تو ضرور عورتیں مردوں پر فوقیت کہتیں۔

## آرزم بانو

یہ ذہین اور طبع لڑکی سیادت خاں صفوی کی اکلوتی بیٹی تھی جو شاہجہاں کے دربار میں نہایت محترم اور بادشاہ کا شخص تھا دربار کے خواص و عوام اسکی حد سے زیادہ غظمت کرتے تھے اور یہ ہمیشہ اپنی فیاضی حوصلہ مندی بلند نظری سے سب کو خوش رکھتا تھا آرزم بانو چونکہ اپنے والدین کی اکلوتی اور چاہیتی بیٹی تھی اسلئے عموماً سیادت خاں کے متعلقین اس سے بیحد محبت کیا کرتے تھے۔

یہ عاقلانہ خاتون علاوہ حسن و جمال اور تہذیب و نجابت کے علمی دستگاہ بھی رکھتی تھی اسکی ذہانت طبع اور سنجیدگی و متانت کی عموماً تمام لوگوں میں دہوم چمک گئی تھی اور تیز عقل و زوئی طبع کی عام شہرت سب میں پھیلی ہوئی تھی۔ سیادت خاں نے ایک بوڑھی شریف زادی کو جسے مذہبی علوم میں کافی دستگاہ حاصل تھی اسکی تعلیم کے لئے مقرر کیا تھا۔ اس نے اپنے ذہن رسا اور تیز طبیعت سے تھوڑے عرصہ میں مذہب کی ضروری کتابیں پڑھ لیں اور پھر سپاہیانہ فنوں کے حاصل کرنے کا مشوق ہوا پہلے گھوڑے پر چڑھنا سیکھا اور پھر تیر اندازی کی تعلیم پائی۔ یہ بڑی تعجب کی بات ہے کہ آرزم بانو نے چند روز کی مشق میں تیر اندازی میں وہ کمال پیدا کر لیا تھا کہ اس کا نشانہ بہت ہی کم خالی جاتا تھا اور اب وہ قادر اندازی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی۔

جس زمانہ میں شہنشاہ عالمگیر اور داراشکوہ کی دونوں خونخوار لشکروں کا مقابلہ ہوا ہے آرزم بانو داراشکوہ کی فوج میں اپنے باپ سیادت خاں کے ساتھ موجود تھی اور اس کے پہلو پہ پہلو نہایت بہادری اور آزادی سے عالمگیری فوج پر برابر تیروں کا مینہ برسا کر داد و جان فردی دے رہی تھی عالمگیر اس دلیر

اور قابل فائز کی نسبت مختلف لوگوں سے تفریق انفاط سنا کرتا تھا اور انکی ذاتی قابلیت اور فطری لیاقت کا شہرہ شن شن کر خوش ہوتا تھا اسی اثنائیں اولوالعزم بادشاہ نے اپنے سب سے چھوٹے شاہزادہ محمد کام بخش کی نسبت آرزوم بانو کے ورثہ کے پاس بھیجے جسے انہوں نے بدل منظور کر لیا۔

سنہ ۹۱۵ ۱۵ تاریخ یکشنبہ کا دن اس مبارک تقریب کے لئے منتخب ہوا۔ اس دن کا حشمت انگیز سماں اور زریخہ حالت جس سے عالمگیر شان شکست کی خوبصورت تصویر خوب اُبھر کر چمک رہی تھی قابل دید اور یادگار زمانہ چلی آتی ہے تمام شہر کے بازار اعلیٰ پیمانہ پر سجائے گئے تھے۔ غرضکہ شاہزادہ محمد کام بخش اس شان و شوکت اور جاہ و جلال سے شاہی مسجد تک آیا قاضی شیخ الاسلام نے مسجد ہی میں شاہزادہ کا نکاح آرزوم بانو سے باندہ دیا اس رات کو تمام قلعہ اور شاہی محل سرا میں معمول سے زیادہ خوشی منائی گئی اور ایک بہت بڑا مسرت انگیز جشن محلوں اور شہر میں قائم کیا گیا تمام فوج اور ساکنین شہر کو عالمگیر کی طرف سے دعوت دی گئی اور چند روز تک تمام سرکاری و قاتر بند رہے۔ درباریوں کو اس خوشی میں بیشمار جاگیریں اور نقد انعامات عطا کئے گئے اور پیش قیمت و فاخر خلعت تقسیم ہوئے غرضکہ جس قدر خوشی اس موقع پر ایک اولوالعزم اور مالیشان بادشاہ مناسکتا ہے وہ عالمگیر بادشاہ نے منائی۔

قریباً ایک پہر رات گزری ہوگی کہ خود عالمگیر نے اپنے مبارک ہاتھ سے اپنے بچتا و ر اور خوش قسمت فرزند کے سر پر بیش قیمت مروارید کا سہرہ باندھا اور تمام محلوں کے بیگمات کو حکم فرمایا کہ خضمانہ کی ڈیورہی سے لیکر نوابیہ النساء کے محل کی ڈیورہی تک دو طرفہ شاہزادہ کی پارکابی میں پاپا دہ جائیں او

شاہزادہ عالیجاہ کو بچا کر واپس آئیں۔

آرزم بانو شادی کے بعد بھی اپنے اسی قدیم شغل یعنی کتب بینی اور انتظام خانہ داری وغیرہ میں مصروف رہی لیکن وہ جیسی آزاد پہلے تھی اب ویسے آزاد نہیں رہی جنگ کے موقعوں میں شریک ہونے سے اُسے مطلقاً ممانعت کر دی گئی گھوڑے پر چڑھ کر جنگلوں اور باغوں کی سیر کرنے اور شکار مارنے سے باز رکھی گئی یہ ممانعت اور مزارعت اگرچہ اُس کے آزادانہ خیالات اور قدیمی پالیسی پر بہت بُرا اثر ڈالنے کو مستعد تھی اور دراصل اگر غور کیا جاتا ہے تو یہ قید آرزم بانو جیسے آزاد اور بہادر عورت کے لئے نہایت ہی قلع اور صدمہ کا باعث ہو سکتی ہے مگر آفریں تجھے کہ تیری متانت اور سنجیدگی نے اس خیال کو بالکل مٹا دیا اور ان ناگوار اور مکروہ باتوں کی ذرا بھی پروا نہ کر کے اپنے سٹوہر کی اطاعت سے سرمو تجا وز نہیں کیا اور مرتے دم تک اُسے خوش رکھا۔

## آرام جاں سگم

یہ عصمت پناہ اور شریف خاتون نور الدین جہانگیر بادشاہ کی پانچویں سگم ہے جو طاہری خوبصورتی اور حسن جمال کے علاوہ عقل و دانش اور حزم و احتیاط کا کافی سرمایہ رکھتی تھی۔ گو جہانگیر کی اور بیگمات بھی طباع اور خوش فکر تھیں مگر جو جوہرِ ذہن اور موزونی طبع اس سگم نے پائی تھی دوسری کو نصیب نہ ہی گویا اسکی فطرت میں ہر چیز کی قابلیت کا مادہ قدرت نے کوٹ کوٹ کر بہر دیا تھا آرام جاں کی تاریخی زندگی پر بحث کرتے اور اُس کے اطوار و عادات کو قلمبند کرتے وقت ایک لالائی اور بے غرض مویخ اس قدر ضرور کہہ سکتا ہے کہ وہ تیلون انراج اور تند خو عورت تھی لیکن جب وہ آرام جاں کے تمام حیرت بخش کوالف اور دلکش

حالات پر ایک ناظر نظر ڈالتا ہے تو اس کے ساتھ ہی یہ کہنے پر فوراً مجبور ہو جاتا ہے کہ آرام جاں ہمیشہ اس کوشش میں لگی رہتی تھی کہ جہاں تک بن پڑے اپنے غضبناک جوشوں اور نفسانی خواہشوں کو اپنا مطیع بنائے چنانچہ انجام کار ایسا ہی ہوا کہ وہ سخت سے سخت اور نہایت کڑی بات کا ہی پڑے سکوں و وقار کے ساتھ تحمل کرتی تھی اور جس تناسل و سنجیدگی سے جواب دیتی تھی ہر شخص کے نزدیک عظمت کے قابل ہوتا تھا۔

آرام جاں بیگم نے اگرچہ کوئی باقاعدہ تعلیم نہیں پائی تھی اور لڑکپن کے زمانہ میں معمولی نوشت و خواند کے علاوہ اور کچھ حاصل نہیں کیا تھا لیکن وہ اپنے ذہن رسا اور خدا داد قابلیت کی وجہ سے بعض وہ علمی مطالب حل کر دیتی تھی کہ سننے والے دنگ رہ جاتے تھے۔ اس کی طبیعت بچپن ہی سے لطیفہ سنجی اور مذاق پسندی کی طرف مائل تھی لیکن یہ مذاق بے نتیجہ اور فضول نہ ہوتا تھا بلکہ اُس میں ایک نہ ایک ایسی کارآمد و مفید بات فرو ر مکر ہوئی تھی جس سے سننے والے فوراً کوئی نہ کوئی عمدہ اور نیا نتیجہ نکال لیتے تھے۔

یہ ایک عجیب غریب بات ہے کہ آرام جاں باوجودیکہ علمی سرمایہ بہت ہی کم رکھتی تھی لیکن پہرہ ہی اپنی زور طبیعت سے ملا نعل شراب نے تامل کے ساتھ حل کر دیتی تھی اسے فن شاعری سے کچھ ایسی دلچسپی پیدا ہو گئی تھی کہ فارسی اشعار میں الفاظ کی بندش و صیغ مکر محاورات محض غلط ہوتے تھے بلکہ اکثر افسانہ بے محل بھی استعمال کئے جاتے تھے۔ آرام جاں نے فارسی زبان میں بہت سے اشعار اور قصائد موزوں کئے لیکن افسوس کہ وہ کتابوں کی جلدوں ہی میں چپے رہے اور کسی موزن کے ہاتھوں میں نہ پڑے۔

جہانگیر کی سوانح عمری پر نظر ڈالنے سے یہ امر عموماً تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ کبھی تمام

بیگمیں شاعر اور بذلہ سنج تھیں اور خود جہانگیر بھی کبھی کبھی شعر کے موزوں کرنے میں طبع آزمائی کیا کرتا تھا لیکن جو حاضر جوابی اور بے ساختگی اور فی البدیہہ شعر کہنے میں آرام جاں بیگم کو ملکہ حاصل تھا وہ کسی اور بیگم کو تو کیا خود جہانگیر کو بھی میسر نہ تھا اس فن میں اُس نے وہ قدرت اور دستگاہ پیدا کر لی تھی کہ بڑے بڑے لیرانی شعر اُس کے اشعار سن کر حیرت کے تیلے بن جاتے تھے۔

ہم اس پاکدامن اور روشن دماغ خاتون کی شاعری اور حاضر جوابی کا نمونہ ذیل کی ایک نتیجہ خیز حکایت میں ناظرین کو دکھانا چاہتے ہیں جس سے اسکی طبیعت اور ساتھ ہی عقل کا بھی کافی طور پر موازنہ ہو سکتا ہے۔

جہانگیر کو شطرنج کھیلنے کا بہت شوق تھا اور قریباً محل کی تمام بیگمات اس فن میں بڑی مہارت رکھتی تھیں لیکن جس قدر آرام جاں بیگم کو اس میں تجربہ اور درک تھا اُس قدر کسی اور کو نہ تھا گو وہ اسے ایک فضول اور نہایت بے نتیجہ کام تصور کرتی تھی اور اکثر کہا ہی کرتی تھی کہ جس کام کا محنت کے بعد کچھ نتیجہ نہ نکله وہ شطرنج بازی ہے مگر یہی اُسکا میلان طبع اس طرف بہت تھا اس نے شطرنج میں رفتہ رفتہ وہ مشق بڑھائی تھی کہ جہانگیر جیسا چال کا مشہور شخص اکثر اوقات اس سے مات کہا جاتا تھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جہانگیر ایک شہزادہ سے شطرنج کھیلنے بیٹھا اور یہ بازی مقرر ہوئی کہ جو شخص مات کہا جائے وہ اپنی ایک بیگم بازی لیجانے والے کی نذر کر دے چنانچہ دونوں نے اس پر معاہدہ کیا اور ایک تحریری اقرار نامہ بھی مرتب ہو گیا شطرنج بچائی گئی اور جانیں سے چالیں چلیں شروع ہو گئیں اتفاق سے شہزادہ کی بازی نے اچھا نقشہ جمایا اور جہانگیر کو بازی کی طرف سے مایوسی ہو گئی اور ایک غیر معمولی تذبذب سے اس کے چہرہ پر تغیر کے آثار آہستہ آہستہ

دوڑنے لگے لیکن جہانگیر نے اپنی متذبذب حالت کو درست کرنے اور چہرہ کے آثار تغیر کو مٹانے میں بہت کوشش کی۔

جہانگیر کو جب کوئی چال چلتے بن نہ پڑی اور مات کا خیال اُس کے دل میں آیا تو فوراً شطرنج کا نقشہ اسی طرح چھوڑ کر کھڑا ہو گیا اور محل میں داخل ہو کر سب سے پیشتر نور جہاں بیگم کے پاس آیا جو نہایت ہی طباع اور ذہین عورت تھی نور جہاں بیگم جہانگیر کا چہرہ دیکھتے ہی تاڑ گئی کہ آج بادشاہ کسی بڑی الجھن میں پھنس گیا ہے خدا خیر کرے یہ مایوسی اور مایوسی کے ساتھ برسی خالی از علت نہیں ہے نور جہاں ان ہی خیالات میں غلطاں پہچاں تھی کہ جہانگیر اس کا ہاتھ پکڑ کے اپنے پراوٹ کمرہ میں لے گیا اور معمولی فراموشی کے بعد گویا سو کہ بیگم! آج ہم نے ایک شہزادہ سے شطرنج کھیلی اور باہم یہ شرط قائم ہوئی کہ مات کہا جانے والا اپنی ایک بیگم بازی لیجانے والے کی نذر کرے چنانچہ کئی چالوں کے بعد اب ایسا موقع آچرا ہے جس میں مجھے اپنی مات ہوجانے کا خیال ہے خیال کیسا یقین ہے یا تو کوئی ایسی چال بتاؤ کہ میں بازی ہاتھ سے نہ دوں یا یہ مشورہ دو کہ کون سی بیگم کی مفارقت گوارا کروں۔

نور جہاں بیگم باوجود اُس دانش و عقل کے جسے نہ صرف جہانگیر ہی بلکہ دربار کے اکثر لوگ تسلیم کر چکے تھے جہانگیر کی یہ وحشت انگیز تقریر سن کر پہلے تو تیر انگیز صورت میں اُس کے منہ کو مسکنے لگی پھر سچی گردن کر کے خاموش ہو گئی اس تیر اور بیجا خاموشی نے جہانگیر کو کسی قدر آشفتنہ کر دیا اور آٹا فانا میں اُسی آشفتنگی غیظ و غضب سے بدلنے لگی۔ نور جہاں بیگم نے اگرچہ اپنی تذبذبانہ حالت کے چھپانے میں بہت کوشش کی مگر بد قسمتی سے اس میں کامیاب نہیں ہوئی اور تھوڑی دیر کی خاموشی کے بعد دست بستہ عرض کرنے لگی کہ حضور میں اعتراضاً خاموش و تیر



نہیں ہوئی بلکہ میری سخوت کی وجہ یہ ہے کہ جس چال کی بابت آپ نے ذکر کیا ہے  
مطلق میری سمجھ میں نہیں آئی گویا آپ کی پہلی بات کا جواب اس وقت مجھے بن  
نہیں آتا اور میں اس میں محض قاصدوں نور جہاں کی اس لجابت آمیز تقریر نے  
جہانگیر کی آشفتگی اور برائی کو کسی قدر فرود کیا اور اب وہ نرمی کے لہجہ میں بولا  
کہ اچھا میری دوسری بات کا جواب ؟ نور جہاں بیگم نے نہایت خستگی کے  
ساتھ فی البدیہہ یہ شعر پڑھا :

تو بادشاہ جہانی جہاں دست مد کہ بادشاہ جہاں را جہاں بکار آمد

”یعنی اے بادشاہ تو ایک جہان کا شہنشاہ ہے اور جب یہ ہے تو نور جہاں  
کو اپنی صحبت سے جدا نہ کر کیونکہ بادشاہ جہان کے لئے جہاں مفید اور کارآمد  
ہوتا ہے“ جہانگیر کی جب نور جہاں سے مطلب براری نہیں ہوئی تو اس نے  
اپنی دوسری بیوی حیات النساء بیگم کو اپنے پریوٹ کرہ میں بلا پایا اور گذشتہ  
واقعہ سرتاپا بیان کیا اس بیگم نے بھی پہلی بات کا تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن  
دوسرے سوال کے متعلق بیساختہ یہ شعر پڑھ دیا۔

جہاں خوش است لیکن حیاتے باید اگر حیات نباشد جہاں چہ کار آید

”یعنی اس بات کا خوشی سے اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ جہان نہایت پر تلخت  
جو لا نگاہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حیات کی جسے زندگی سے تعمیر کیا جاتا ہے  
سخت ضرورت ہے کیونکہ جب حیات ہی نہ ہو تو جہان کس کام آسکتا ہے“

حیات النساء بیگم نے اپنے اس شعر میں نور جہاں پر ایک سخت تہلیل اور عاقلانہ  
حکمہ کیا ہے گویا اس نے جہانگیر کو ان الفاظ میں اس طرف توجہ دلائی ہے کہ  
میں تسلیم کرتی ہوں کہ نور جہاں - بادشاہ کے عیش و عشرت کا عمدہ ذریعہ ہے  
لیکن بغیر حیات النساء کے کسی تکمیل نامکن بلکہ سخت محال ہے بادشاہ خیال

کر سکتے ہیں کہ اگر آپ کے پاس حیات نہیں تو فوراً جہاں کس کام آسکتی ہے گویا حضور کی سیش و عشرت کی روح حیات النساء ہی ہے۔

جہانگیر شاہ کے دل میں ان دونوں بیگموں کے جواب نے ایک عجیب تغیر اور انقلاب پیدا کر دیا اور اب اُس نے ایک قلمبانی کو فئات النساء کے حاضر ہونے کا حکم دیا اس نے حاضر ہوتے ہی جربستہ ایک ایسا شعر پڑا کہ دونوں بیگموں کے مضمون کو مات کر دیا وہ کہتی ہے ۵

جہان و حیات میں ہمہ بیوفاست      قرار انگہ دار کا خیر قنات

”یعنی جہان اور حیات سب بے مروت اور نافرمانیوں فقا کو آنکھ سے اوچل نہ کرنا چاہئے کیونکہ آخر کار فنا ہی ہے“ اس شعر میں قنات النساء بیگم نے جس رمز کی طرف اشارہ کیا ہے اور جس نتیجہ خیر مضمون کو ثابت کیا ہے وہ حقیقت عظمت کے قابل ہے۔ جہانگیر نے اب اپنی چوتھی بیگم یعنی آرام جاں کو بلا یا اس قلا اور زمین بیگم نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور وہ کونسی چال ہے جس سے آپ کو امیدات ہے آپ میرے سامنے وہ نقشہ پیش کیجئے ممکن ہے کہ بوئذی کے خیال میں کوئی چال آجائے جہانگیر نے وہی نقشہ آرام جان کے روبرو دکھایا اس ہوشیار اور طباع بیگم نے تھوڑی سی غور و فکر کے بعد نہایت آرا و انداز مزاجی کی شان سے یہ پر جوش شعر پڑھا ۵

شاہاد و شمع بدہ و دل آرام را مدہ      پیل و پیادہ پیش کن سپ کشت مات

جہانگیر اس شعر کو سنکر ہرک گیا اور ایک نہایت ہی بے اختیارانہ جوش اور بیتابانہ مسرت سے اُس کا چہرہ چمکنے لگا۔ آرام جاں کی پرمغزی اور روشن و نامی پریش عش کرتا ہوا اپنی کامیابی پر خوش خوش محل سے برآمد ہوا اور جو چالیس آرام جان نے بتائی تھیں چلکر باغی لے گیا۔ اس حکایت سے آرام جان کی اُس حیرت انگیز

ذہانت اور خدا و قابلیت کا ثبوت ملتا ہے جس نے تبرہ وستی تعریفی الفاظ اپنے لئے موزین کی زبان و قلم سے مخصوص کر لئے ہیں۔

## ارجند بانو یا ممتاز محل

یہ نامور شہزادی شہاب الدین محمد شاہجہاں بادشاہ کی پہلی بیگم ہے جس کے دلقریب حسن اور خدا و عقل کا شہرہ دور دور پہنچا ہوا تھا۔ اس بیگم نے نہ صرف اپنے حسن و خوبصورتی سے شاہجہاں جیسے نامور اور اولوالعزم بادشاہ کا دل اپنی طرف مائل کر لیا تھا بلکہ اپنی خدا و قابلیت اپنی مالی و داعی اپنی بلند خیالی اپنی قابل تعریف تہذیب و شائستگی اپنے شریفانہ اخلاق اپنے مہذبانہ عادات سے اُسے اپنا شیفتہ اور شیدابنا لیا تھا۔ گو شاہجہاں کی دوسری بیگم عزیز النساء بھی بڑی لایق و قابل عورت تھی اور حسن و خوبی میں اپنا جواب نہیں کہتی تھی لیکن جو بات قدرت نے اس بیگم کی فطرت میں رکھ دی تھی وہ کچھ اور ہی دلچسپی لئے ہوئے تھی یہی وجہ تھی کہ بادشاہ اس سے کمال درجہ الفت رکھتا اُسے اس کی ایک دم کی جدائی بھی ناگوار اور شاق ہوتی تھی اور بغیر اُس کے تمام عیش بے لطف اور کمدر ہو جاتے تھے۔

یہ بیگم نہایت طباع اور تیز عقل تھی اور اپنی قابلیت کو ہمیشہ موقع ہی پر استعمال میں لاتی تھی اس نے صرف اپنی بلند نظری اور مالی جوہلگی سے بہت سی نہایت سخت اور کڑی مہین سسر کر لی اور بادشاہ کو ہمیشہ اپنے نتیجہ خیز مشوروں اور احصائے رائے سے ہر خطرناک موقع سے بچاتی رہی۔

ایک فاضل موزع کلیان ہے کہ ارجند بانو ایک نہایت ہی خلیق اور باہر و خاتون تھی اس کا نثر لاج دہیا اور تمحل تھا جتنک کسی بات کے موافق و مخالف

دونوں پہلوؤں کو غائر نظر سے نہ دیکھ لیتی اور ہر موقع کے آثار چڑناؤ پر خیال نہ دوڑا لیتی نیز آئندہ اور گذشتہ نتائج کو بھی طرح نہ سمجھ لیتی تھی کبھی اس پر عمل کرنے کے لئے تیار ہی نہ ہوتی تھی اسکی زندگی کے جہد و محنت حالات تاریخی صنفوں میں دیکھے جاتے ہیں سب حیرت بخش اور تعجب خیز ہیں جن سے ہر ایک شخص بڑی بڑی زبردست نصیحتیں نکال سکتا ہے۔

ارجنند بانو کے عام حالات زندگی پر سرسری نظر ڈالنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک نہایت ہی فحیر اور فیاض عورت تھی اور اسے دوسری شہنشاہیگوں اور نامور شہنشاہیوں کی طرح جو آرائش و زینت اور آسائش و راحت پر دلدادہ ہیں بظاہر دنیا کی مال و دولت اور تخیل و ثروت کے حاصل کرنے کی طمع نہ تھی وہ ایک نہایت دانشمندی اور ہر قسم کے اعلیٰ درجہ کے شاہی اوصاف اور حکیمانہ قابلیتوں کا مجموعہ تھی۔ یہ ایک اور مشہور بات ہے کہ ارجنند بانو کی دولتمندی اور حشمت و تمول کی یہ نسبت اسکی مالی حوصلگی پر مشتمل اور مناسب فیاضی بہت بڑی ہوئی تھی۔ اسے ہر وقت عام طور سے مخلوق خدا کو نفع پہنچانے اور ہر قسم کے آفت زدوں کے ساتھ ہمدردی اور رحمانہ برتاؤ کرنے اور ان کے دکھ درد میں شریک ہونے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہ تھا اسکی زندگی کا ان کے نہایت تاباں اور خوش اسطرچ پر بھر دلا وینا انکساری اور متواضعانہ اخلاق کے دوسری چیز بہت کم نظر آتی ہے۔

اس فیاض اور مخیر بیگم کا عام طور پر یہ خیال تھا کہ اسی دولت و حشمت اسکی ذاتی ضرورتوں کی نسبت اپنے ماتحت محتاجوں اور بے سرمایہ غریبوں کی حاجات و ضروریات کے رفع کرنے کے لئے زیادہ موزوں ہے یہی وجہ تھی کہ اس نے اپنے اس خیال کے مطابق اپنے دولت و مال کا بہت بڑا حصہ ایسے

حکمران

اشخاص کی ضروریات و حاجات میں بیدار نہ صرف کر دیا تھا جو ہمیشہ اس کی ماتحتی میں رہتے تھے۔

یہ ارجمند بانو کی فیاضی اور سخاوت ہی کا نتیجہ ہے کہ جس قدر اس کے متعلقین اور ماتحت تھے سب ان سے خوش تھے اور انہوں نے اپنی اور اپنے متعلقین کی پیاری اور بیش قیمت جانیں اس کے اختیار میں دیدی تھیں کہ اگر اس کا اشارہ ہو تو انہیں ایک پل میں قربان کر ڈالیں گویا یہ لوگ ارجمند بانو کے فوری حکم پر اپنی جانوں کو صرف اسکی خوشی کے لئے نیست و معدوم کرنا فرض منصبی سمجھتے تھے۔

ارجمند بانو کی فیاضی اور حیرت انگیزی کی ایک اونے مثال یہ ہے کہ جب شاہجہاں تخت سلطنت پر جلوہ فرما ہوا ہے اور ہندوستان کی حکومت کی باگ اپنے ہاتھ میں لی ہے تو اس نے اس خوشی کی تقریب میں ایک بہت بڑا جشن کیا اور اس میں ارجمند بانو کو علاوہ بیش قیمت جڑاؤ زیور اور طلائی ساز و سامان کے دو لاکھ اشرفیاں نقد عطا فرمائیں اس سیر حشم بیگم نے اپنی فیاضانہ ہمت اور فراخ دلی سے اسی وقت تمام اشرفیاں اور سامان بادشاہ پر سے نچا کر کے فقراؤں متاجروں کو دیدیا بلکہ کچھ اور اپنا ذاتی روپیہ بھی اس موقع پر بیدار نہ صرف کر ڈالا۔ اسی طرح جب شاہجہاں نے تخت نشینی کے دوسرے سال یعنی ششہ ہجری میں اپنے دار الخلافہ میں جشن کارنگ جمایا اور فوجی افسروں کے دل بڑھانے کے لئے انہیں کثیر التعداد رقبے بطور انعام عطا فرمائیں اور منصب داروں عہدہ داروں کے عہدوں میں نمایاں ترقی کی تو ارجمند بانو کو پچاس لاکھ روپیہ نقد عطا کیا اس دریا دل اور جوشیلی بیگم نے اسی جلسہ میں اس روپیہ کو بھی صرف کر دیا اور اپنی ضرورت کے لئے ایک پالی بھی اپنے پاس بچا کر رکھی۔ غرض کہ ارجمند بانو کی تاریخ زندگی سے بہت سی ایسی مثالیں

مستبظ ہو سکتی ہیں جو اسی فیاضی اور رحمدلی و ہمدردی میں لاجواب و بے نظیر ثابت کرتی ہیں۔

کوشا بھہاں۔ اپنی اس پیاری اور چاہتی بیگم کو سولہ لاکھ روپیہ سالانہ دیا کرتا تھا اور کل خرچ شاہی اخراجات سے آہٹتا تھا لیکن جب اس عالی حوصلہ عورت کا انتقال ہوا ہے تو اس کے خزانہ میں کچھ ہی باقی نہ تھا اس نے سب اپنی زندگی میں نیک اور خیراتی کاموں میں صرف کر دیا تھا۔

خلاصہ یہ کہ ارجمند بانو میں اس قسم کی بہت سی باتیں تھیں جو جبراً اور دبروتی شاہجہاں کا دل اسکی طرف متوجہ کرتی تھیں۔ شاہجہاں جیسا مدمن اور ہوشیار بادشاہ ارجمند بانو کو اپنی خوش قسمتی کا بہت بڑا ذریعہ سمجھتا تھا اور اسی وجہ سے اس سے کمال درجہ الفت رکھتا تھا۔

یہ جیل بیگم محل میں بازادی رہتی تھی۔ شاہجہاں کو اسکی بات پر کبھی شبہ نہیں ہوا نہ اسکی طرز معاشرت اور چال چلن نے اسے اپنے اوپر کبھی مشتبہ ہونے دیا یہ شاعری اور فضول طبع آزمائی سے الطبع نافرتی مگر تاہم قدام کے نتیجہ خیز اشعار اکثر اوقات پڑھا کرتی اور اون کے کلام سے دلچسپی لیا کرتی تھی۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ارجمند بانو اپنے محل میں بیٹھی ہوئی کسی دیوان کا مطالعہ کر رہی تھی اور ایک نہایت ہی نیتیہ خیز شعر اس کے زیر نظر تھا جس کا پیرا اثر اور جوشیلا مضمون اس کے دماغ میں بجلی کی طرح کوند رہا تھا انجام کار اس میں ایک فوری جوش پیدا ہو گیا اور وہ بار بار اپنی اس خودی اور محویت کی حالت میں اس شعر کو چلا چلا کر پڑھنے لگی اتنے میں کہیں شاہجہاں بھی محل میں چلا آیا اور اسے اپنی پیاری اور چاہتی بیگم کی یہ خلاف معمول حالت دیکھ کر تعجب ہوا اول تو وہ کچھ عرصہ تک ارجمند بانو کے پس پشت کھڑا رہا لیکن جب زیادہ دیر

ہو گئی تو قریب جا کر بولا کہ بیگم! کیا تم اس دیوان میں کوئی نہایت ہی وجد انگیز مضامین دیکھ رہی ہو! ارجمند بانو کی روح پر اس کے جوشیلے جذبات اور معیت و از خود رفتگی کچھ ایسی محیط ہو گئی تھی کہ اُسے یہ بھی خبر نہ ہوئی مجھے کون پیچھے کھڑا پکار رہا ہے۔ شاہجہاں کو جب بجز سکوت اور متخیر انگیز خاموشی کے کوئی جواب نہ ملا تو وہ اپنی قابل تعریف متانت و سنجیدگی سے خاموش کھڑا رہا اور دوبارہ آواز نہ دی۔ لیکن جوں ہی ارجمند بانو کی خودی اور از خود رفتگی کم ہوئی اور اس نے شاہجہاں کو سامنے کھڑا دیکھا فوراً چونک پڑی اور یکایک سر سے پانوں تک تہہ تر کاپٹنے لگی۔

شاہجہاں کا ایسے وقت میں دفعۃً اور یکایک چلا آنا نہ صرف تعجب آمیز اور حیرت انگیز ہی تھا بلکہ سر اسر ضابطہ کے خلاف اور بے قاعدہ تھا کیونکہ اس کا عام دستور تھا کہ بغیر اطلاع کبھی محل میں قدم نہ رکھتا تھا بلکہ کچھ عرصہ پیشتر خواجہ سرا آکر آگاہی دیتا تھا کہ آج شہنشاہ عالیجاہ فلاں وقت محل میں جلوہ فرما سونگے تمام محل سرا میں اسی قاعدہ کا عام طور پر استعمال کیا جاتا تھا پھر اس معمولی عادت کے برخلاف شاہجہاں کا یکایک بے اطلاع یوں آکر کھڑا ہونا ضرور ایک چونکا دینے والا خیال تھا! ارجمند بانو بادشاہ کو دیکھتے ہی کانپ اٹھی کہ یہ کسی اچانک آفت آئی اور یہ خلاف قاعدگی بادشاہ نے کیوں برتنی فوراً مودب کھڑی ہو گئی اور داب شاہی کی پابند ہو کر عرض کیا۔ کیا حضور کچھ زیادہ دیر جلوہ فرما ہیں فدوی معافی کی خواہش گزار رہے مجھے کتاب کے مطالعہ نے اس درجہ بے خود اور محو کر دیا کہ حضور کی تشریف آوری کی خبر تک نہ ہوئی۔ بیگم کی یہ دلاویز اور متین تقریر سنکر اولو العزم بادشاہ نے اُسکی دلجوئی کی اور نہایت تسلی بخش لہجہ میں کہا کہ بیگم! تم مجھے معاف کر دو گی کہ میں اس وقت تمہارے عزیز

اور پیش قیمت وقت میں بے قاعدہ خلل انداز ہوا چونکہ کئی روز سے ہمیں دیکھا نہیں تھا اس لئے اس وقت تمہارے اشتیاق ملاقات نے ایسا از خود رفتہ کیا کہ اطلاع دینے کا بھی خیال نہ رہا۔ یہ کہہ کر بادشاہ نے سفید موتیوں کا کٹھا ارجبند بانو کے گلے میں ڈال دیا اور مسکرا کر کہا میں تمہیں تمہارے اس جوش کی مبارکباد دیتا ہوں جند منٹ کے بعد شاہجہاں نے ایک عجیب سکر امیٹ اور خندہ پیشانی سے اُدھر اُدھر کی باتیں کیں اور ارجبند بانو کی خانہ داری کی انتظامیہ کیفیت کی بابت چند سوالات پیش کئے جن کے کافی و شافی جواب پاکر بہت خوش ہوا اور تھوڑی دیر کے بعد شادشاہ رخصت ہوا۔ ارجبند بانو اپنی ذاتی قابلیت اور فطری لیاقت کے قالب میں ڈھال ڈھال کر دن بہ دن بہت سی بینکروں اس قسم کی باتیں کیا کرتی تھیں جن سے شاہجہاں جیسا سنجیدہ بادشاہ پٹرک پٹرک آہتا تھا یہ جو بات منہ سے نکالتی تھی یا جو فعل اس کے اعضا سے صادر ہوتے تھے اُن میں کوئی نہ کوئی ایسی دلچسپ بات فروغ بخشی ہوتی تھی کہ سننے والے کو کیفیت آجاتی تھی۔ اکثر بڑے بڑے قابل امرا سے خط و کتابت رکھتی تھی اور نہایت ارادہ طریق سے ہر بات پر عالمانہ بحث کیا کرتی تھی۔

یہ ایک بڑے ہی تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ ارجبند بانو باوجود اس شہمت و شوکت اور عظمت و جلال کے کہ ایک نہایت مقتدر اور باجاہ و جلال اولواخرم شہنشاہ کی چاہتی اور عزیز بیگم تھی اور ایک بڑے شہر کی نہایت معقول اور زیر التقدار آمدنی اُسکی مامانہ تنخواہ میں سلطنت کی طرف سے ملتی تھی بہت بڑی جفاکش اور عننی اور متعظم عورت تھی اس کا اکثر وقت یا تو انتظام خانہ داری میں صرف ہوا کرتا تھا یا اپنے معزز شوہر کی خدمت اور شہزادوں شہزادیوں کی تربیت اور خبر گیری میں۔



ارحمنہ بانو کی تاریخ زندگی میں جو سب نے زیادہ قابلِ تعریف اور وقت و قدر کے لائق چیز ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے متعلقہ کاموں کا سرانجام اس جرات اور آزادی کے ساتھ دیتی تھی جس کی نظیر ایشیائی سلطنتوں میں بہت کم مل سکتی ہے۔ اس کے جس قدر ماتحت اور متعلقین تھے سب اس سے خوش تھے اس کا برتاؤ ان کے ساتھ ہمیشہ قیامت نہ اور رحمانہ ہوا کرتا تھا خیراتی کاموں میں خواہ حوصلہ کرتی تھی اور مسافروں کو واردوں کی خاطر داری اور دہچولی میں دقیقہ اٹھانے کی تھی اکثر اپنے خواہوں اور شاہجہاں کے مصاحبوں کو انعام و اکرام سے مالا مال کر دیا کرتی تھی۔

ممتاز محل کی لائف کے متعلق بہت سے ایسے غلط افسانے اور بے سرو پائیاں ہی شہرت پکڑ گئی ہیں جن کی ذرا بھی اصلیت نہیں اور زیادہ تعجب اور تعجب کے ساتھ افسوس کی بات یہ ہے کہ بعض مشہور اور نامور مصنفوں نے بلا تحقیق و تدقیق ان یہودہ اور بے سرو پا غلط واقعات کو اپنی نامکمل تالیفات میں نقل ہی کر دیا ہے جس سے عامیوں اور ان پڑھ لوگوں کو اپنے غلط اور فضول خیالات کے لئے ایک کافی تائید ہو گئی ہے خصوصاً بعض یورپین مصنفوں نے انہیں بالکل سچے واقعات خیال کر کے اس قسم کے مضحکات کا خوب ہی خاکہ اُڑایا ہے لیکن یہ بات افسوس سے کہنی پڑتی ہے کہ اکثر سچی مصنفوں کے تصنیفات میں یہ ایک عام قاعدہ رواج پا گیا ہے کہ جیب وہ تائیدی حالات اور گذشتہ ناموروں کے واقعات کہنے بیٹھتے ہیں تو اصلی اور بناوٹی حالات میں ذرا ہی تیز نہیں کر سکتے بلکہ بعض بعض مقامات پر اپنی تصنیف میں مشاہیر اور فرمانروایان اسلام پر نہایت ہی بیجا اور بزدلانہ غلطی جھٹے کر جاتے ہیں جو ایک مرتجح کذب اور غلطی بلکہ افترا پردازی کی حد تک پہنچ جاتے ہیں۔

اس عالمگیر غلطی کی بظاہر دو وجہیں معلوم ہوتی ہیں یا تو یہ کہ وہ نہایت ضعیف خبروں پر اعتماد کر کے تحقیق و تدقیق کے سلسلوں اور ذرائع کو بالکل استعمال میں نہیں لاتے حالانکہ ایک قابل اور نصفت پسند مورخ کا فرض منصبی ہے کہ وہ واقعات کی یہاں تک چٹان میں کرے کہ صحیح غلط سے جھوٹ باطل سے بالکل الگ اور جدا ہو جائے اور دو دو کا دو دو پانی کا پانی رہ جائے یا یہ وجہ ہے کہ عیسائی مؤرخین تعصب و ہٹ دھرمی کی مٹی آنکھوں سے باندھ کر ان پست پست جوجی میں آتا ہے بے سوچے سمجھے گہر گہرا کر دہر گہرے ہیں اور عوام کو دھوکا دینے کی غرض سے مصنوعی اور بناوٹی افواہوں کو جدت کا لباس پہنا کر شائع کرنے پر راضی ہو جاتے ہیں بلکہ بعض اوقات یہی متعصب مؤرخین اصلی اور واقعی حالات میں ایسی یہودہ تراش خراش اور ذلیل کاٹ چھانٹ کرتے ہیں کہ سچے اور صداقت آمیز واقعات کی خوبصورت اور روشن تصویر نہایت تاریک اور بد نما ہو جاتی ہے۔

یہ امر عام طور پر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ جو شخص اپنی ذاتی خوبیوں اور فطری جوہروں کی شہرت اور نیکنامی حاصل کرتا ہے اسکی نسبت اچھی بری دونوں طرح کی سسٹیکڑوں روایتیں خود بخود اشاعت پا جاتی ہیں بلکہ بہت سی بے سند اور سرتا پالغو باتیں زبان زد خاص و عام ہونے لگتی ہیں اور بعض حالتوں میں اس قدر شہرت پکڑ جاتی ہیں کہ محاط اور متین لوگوں کو بھی ان کے متواتر ہونے کا شک ہو جاتا ہے لیکن جب ان روایات کے بارے میں کامل غور اور نہایت کوشش کے ساتھ چٹان میں کی جاتی ہے تو ان کی بنا صرف بجا توہمات اور فضول خیالات پر معلوم ہوتی ہے۔

یہ بات نہ صرف ارجمند بانو ہی میں منحصر ہے بلکہ ہم بہت سی اس قسم کی بے بنیاد

غلط روایتیں اور جعلی وجوہ ٹے افسانے بڑے بڑے اولوالعزم اور مسلم بادشاہوں کی نسبت لکھے دیکھتے اور تمام ہندوستان میں نادانوں کی زبان سے سنتے ہیں مثلاً جلال الدین اکبر بادشاہ کے پرشوکت دربار کی نسبت نیز ملا دیازہ اور بیربل کی بابت ہم بہت سی وہ نامناسب اور قابل تنقیر باتیں بڑی شہرت کے ساتھ سنتے ہیں جیسا کہ پتہ کسی نامور اور معتبر تاریخ سے نہیں لگتا لیکن جب ہم دوسری تاریخی دنیا کی طرف متوجہ ہوتے اور بعض نامحققوں کے تالیفات پر نظر ڈالتے ہیں تو ان ہی بے تحقیق لطائف اور من گھڑت روایات کو اس کے دربار کے واقعی حالات لکھے پاتے ہیں کیونکہ انہوں نے بڑی آب و تاب اور زور طبیعت سے ان ہی نامعتبر اور بے سند باتوں کو واقعی حالات کے قالب میں ڈال کر دکھایا ہے۔ حالانکہ تواریخ معتبرہ میں ان بے ہل افسانوں کی کچھ ہی اصلیت نہیں پائی جاتی۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو تاریخ نویسی ایک نہایت ہی مشکل اور وقت فراہم کام کسی امر کو تحقیق کرنا اور مذہبی تعصب قومی طرفداری کو بالائے طاق رکھ کر کسی شخص کی نسبت منصفانہ اور آزادانہ خیالات کا ظاہر کرنا درحقیقت بڑی اور نصفت پسندی کی بات ہے۔ جن لوگوں نے تحقیق کی دشوار گزار گھاٹیوں میں قدم فرسائی کی ہے یا ان سنگلاخ پہاڑوں اور صحراؤں کو قلم اور دماغ کی بہری سے کچھ ملے کہا ہے وہی خوب اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس راستہ چلنے والے کو قدم قدم پر کیسی کیسی ناگوار ٹھوکریں اور ناقابل برداشت لعنیں کہنا پڑتی ہیں اور پھر ہی منزل مقصود پر مشکل رسائی حاصل ہوتی ہے۔

الغرض اگر مجید بانو کی سوانح عمری پر جہاں تک نظر ڈالی جاتی ہے صاف طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ نہایت ہی حوصلہ مند مالی دماغ بلند خیال پلے وجہ کی

فیاض اور اتہاس سے زیادہ تیز عقل صحت مآب خوش قسمت خاتون تھی۔ اُس کے  
 ماں شاہجہاں سے چودہ اولادیں ہوئیں جن میں سے سات اولادیں تو کمسنی او  
 نو عمری میں مر گئیں اور سات باقی رہیں جو اولادیں ارجمند بانو کے سامنے زندہ  
 رہی تھیں اُن میں چار نامور شہزادے اور تین شہزادیاں تھیں جن کے ہر فصل  
 ذیل ہیں۔ داراشکوہ۔ شاہ شجاع۔ میرزا مراد۔ اورنگ زیب عالمگیر۔ انجن آرا گیتی آرا  
 جہاں آرا۔ یہ کل اولادیں ممتاز محل کی اکیس سال کی خانہ داری کا نتیجہ ہیں۔  
 اس پاکدامن اور جمیل بیگم نے منسلکہ ہجری میں سترہویں ذیقعدہ کو وفات پائی۔ اس  
 کے انتقال کی وجہ مورخین نے اس طرح بیان کی ہے کہ آئندہ میں خفیف سا بیمار ہوا  
 اور دو تین روز کے عرصہ میں اُس نے اس قدر شدت پکڑی کہ ممتاز محل نہایت  
 ضعیف اور ناتواں ہو گئی ہر چند کہ شاہی طبیب جو نہایت ہی حافظ اور تجربہ کار  
 تھے سماعت بساعت ازالہ مرض کی تدابیر میں بڑی سرگرمی کے ساتھ کوشش  
 کر رہے تھے مگر خدا کی شان کہ کوئی دوا موثر اور مفید نہ پڑی۔ اسی اثنا میں ممتاز محل  
 کو روز بروز شروع ہوا اور وقتاً فوقتاً شدت پکڑتا گیا جس نے اُسے کامل طور پر  
 یقین دلایا کہ تو اب زندہ نہ رہے گی۔ مرض کی شدت دل کی بیتابی بڑھتی  
 جاتی ہے اگر یہی حال رہا تو میں تہوڑی ہی دیر کی اور مہمان ہے اور آخر کاری  
 ہو واجب اُسے اپنی طبیعت پر گہرا ہسٹ کا بہت زیادہ اثر محسوس ہوا تو شاہجہاں  
 سے مخاطب ہو کر ایک نہایت ہی افسردہ اور غم آلود لہجہ میں بولی "خدا کا شکر ہے  
 کہ جس عادت اور طبیعت پر میں پیدا کی گئی تھی اسی میں میں نے اپنی ساری  
 عمر نہایت خوش اسلوبی اور عمدگی سے بسر کی خدا کا ہزار ہزار شکر ہے کہ میری  
 دل میں کوئی تمنا کوئی آرزو باقی نہیں رہی میں کہتی ہوں کہ جب لوگ ذرا بڑی  
 دو تمند ہو جاتے ہیں تو اُن کے ولولے اور جوصلے نئی نئی تمناؤں اور مسلسل

آرزوؤں کا شوق دلانے لگتے ہیں مگر افسوس اُس وقت یہ ہرگز معلوم نہیں  
 ہو سکتا کہ ان بے انتہا شوقوں کا نتیجہ کیا نکلے گا ورنہ کے وسیع منظر اور زمین  
 کی فراخ سطح پر ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں ایسی خوشنما اور عظیم الشان عمارتیں  
 نظر پڑیں گی جن کی ایک ایک افتادہ اور خاک آلود اینٹ کے نیچے صدیاں شوق  
 حسرتوں سے گلے مل چکی ہیں اور یہاں تک کہ وہ اپنے انہوں سے آنسوؤں بہایا  
 کرتے ہیں۔ کیا ان عالیشان عمارتوں کے بانیوں کو معلوم تھا کہ ہمارے  
 شوق یوں خاک میں ملائے جائیں گے نہیں ہرگز نہیں بلکہ ان کی اس وقت  
 کی اقبال مندی ایسی حسرت نصیبی کے خیالات کو نامبارک اور منحوس سمجھتی  
 تھی۔ دنیا میں ایسے لوگ بہت کم ہیں جنہیں اس قسم کی حیرتناک مقامات پر  
 افسوس آتا ہو مگر جب ان عمارتوں کو ان کے بانیوں کی آنکھ سے دیکھیں تو  
 معلوم ہو کہ ان میں کس قدر آرزوؤں کا خون ہو رہا ہے اور کتنی تمنائیں تڑپ  
 رہی ہیں گو یہ باتیں عام طور پر تمام لوگوں میں دہکھی جاتی ہیں جن سے شاید اس  
 وقت سے پیشتر میں ہی مستثنیٰ ہو سکتی ہوں مگر خدا شاہد ہے کہ میں اس قسم کے  
 نامبارک جوش اور ولولہ سے ہمیشہ محترز رہی۔ میں ہمیشہ سونے روپے اور جواہرات  
 کے ڈھیروں میں رہی لیکن بخدا ان کی وقعت و عظمت میرے دل میں خاک  
 کے تودوں اور سنگریزوں کے ڈھیروں سے زیادہ کبھی نہیں ہوئی۔ گو میرا  
 تارک اور مکدر نفس ہر وقت دنیا اور اُس کے قابلِ تفرغ و تفریح کی طرف مائل  
 رہا تاہم میں نے اپنی قلب کی پر زور طاقت سے اُسے حتی الامکان روکا۔ اس  
 میں ذرا ہی شبہ نہیں کہ ہمارے گناہ ایسے پیشامد ہیں کہ اگر ہمیں قرآن مجید میں خداوندی  
 بشارت نہ سنائی جاتی تو کبھی فلاح و نجات کی صورت ہی نظر نہ آتی۔  
 ممتاز محل نے اپنی اس گفتگو کا سلسلہ یہیں تک پہنچایا تھا کہ اب اُسکی زبان رُک

گئی اور سینہ میں رک رک کرتنفس آئے لگا اور ساتھ ہی اسکی آنکھوں سے مسلسل اور پے درپے آنسو بہنے لگے پر شکن پیشانی سے برابر پسینہ کی قطرات ٹپک ٹپک کر رزتا رہے دوپٹہ کو ہنگور سے تپے اور ابروؤں کی کچی صاف بتا رہی تھی کہ اس وقت یہ بیگم بڑی ناگوار تکلیف کی برداشت کر رہی ہے۔ شاہجہاں نے اسکی یہ جگر خراش باتیں اور جانگزا حالت دیکھ کر ایک بے اختیارانہ جوش کے ساتھ اہ سر دیکھنی اور ہرچیز کہ اُس نے نہایت سنجیدگی کی حالت میں اپنی طبیعت پر جبر کر کے بہت بڑے ضبط سے کام لیا لیکن پہر ہی اسکی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے وہ اپنے تئیں سنبھال کر کہنے لگا بیگم صاحبہ یہ تو جو خدا کی مرضی ہے ہو کر رہے گی لیکن تم مطمئن رہو کہ تمہارے مرض کی حالت ایسی خراب نہیں ہے جس سے زندگی کی طرف سے یا یوسی ہو جائے بیشک اس وقت زیادہ کرب ہے جس کی وجہ سے یہ گہیرا ہٹ اور گہیرا ہٹ کے ساتھ بچھنی ہے مگر تمہیں ہرگز ایسا نا اُمید نہ ہونا چاہئے خدا پر نظر رکھو جو طبیب تمہارے معالج میں ہا ایک نامور اور مشہور طبیب ہیں انشاء اللہ اب صحت ہوئی جاتی ہے۔

شاہجہاں یہ تسکین آمیز الفاظ زبان پر لارہا تھا اور ممتاز محل کو اپنی طبیعت پر آنا فائدہ مند نہ معلوم ہوتا جاتا تھا۔ اسیں شک نہیں کہ مرض زیادہ شدید اور مہلک تھا لیکن اس انتہا سے زیادہ بھینی اور گہیرا ہٹ کی بڑی وجہ یہ تھی کہ اس کا دل زندگی کی طرف سے بالکل ٹوٹ گیا تھا اور اس وقت اسکی تمام اُردوؤں اور تمناؤں کا خون ہو چکا تھا۔

اب جوں جوں وقت گزرتا جاتا ہے ممتاز محل کے درد اور تکلیف میں ترقی ہوتی جاتی ہے اُس کے چہرہ کا رنگ فوری تغیرات سے لحظہ لحظہ اور دم بدم بدلتا جاتا ہے اور پے درپے تشویشناک آثار بر سر سننے لگتے ہیں۔ انجام کار

پورے اور کامل دس پہر کی دروزہ نے اس محترم اور مغزز بیگم کو راہ فنا کا راستہ  
 طے کرنے پر مجبور کیا۔ نہایت جاگدازِ صدمے اور جگر خراش تکلیف کے بعد لڑکی  
 پیدا ہوئی اور اسی وقت اس مظلوم کی جاںِ معصی نفس سے ہڑک کر نکل گئی۔  
 یہ ایک ایسا اندوہ ناک اور غم افرا صدمہ تھا جس نے اولوالعزم اور ضابطہ  
 بادشاہ کی کمر کو دوہرا کر دیا محل کی تمام پردہ نشین مستورات اور حاضر باشان  
 دربار آٹھ آٹھ آنسو روتے اور دونوں ہاتھوں سے سر پیٹتے تھے تمام محل سرا  
 میں ایک عظیم الشان کہرام مچ گیا تھا اور ہر شخص کی افسردہ اور غم آلود چہرہ آنسوؤں  
 کی ندیاں بہ رہی تھیں لیکن اب یہ سب باتیں بالکل بے سود تھیں ممتاز محل کی  
 تجھیز و تکھین کی گئی اور اُسے اس کے اصلی اور قدیم بھکانے پہنچا یا گیا۔

اس جانکاہ واقعے اور جگر سوز حادثہ سے شاہجہاں کے قلب کو بہت بڑا صدمہ  
 پہنچا اس نے اپنی اس ہمدردیرینہ اور محرم قدیمہ کی تفریت کی رسم ایک غیر  
 معمولی عرصہ تک قائم رکھی اب اُسے ممتاز محل کی ادنیٰ ادنیٰ بات پر رقت  
 کرنا اور گہریوں تک پر نر آنکھوں سے سیل اشک بہانا کوئی بات ہی نہ تھی۔  
 اس نے اپنی مرحوم و مغفور بیگم کے انتقال کے بعد رنگین کپڑے پہننے چھوڑ دیے  
 اور ہر قسم کی عطریات اور خوشبو یوں کا استعمال میں لانا موقوف کر دیا جو اہرات  
 کا پہننا ہمیشہ کے لئے حرام کر لیا جشن سالانہ اور ایامِ جلوس جو خود بادشاہ اور  
 تمام شاہی درباریوں کے لئے بہت بڑی خوشی اور کامیابی کے ایام ہوتے  
 تھے اب صرف برائے نام باقی رہ گئے شاہجہاں ان مبارک اور خوشی کے  
 موقعوں میں نغمہ اور سرود کے مسرت انگیز صداؤں اور موسیقی خیر آوازوں کو جو  
 اندوہ و غم کے نقوش مٹانے میں کافی اثر رکھتے ہیں نوحہ و ماتم کی صدا ایں  
 تصور کرتا تھا۔

شاہجہاں کی بقیہ زندگی میں کوئی ایسا موقع بہت کم گذرتا تھا جس میں ممتاز محل کی یاد اُسے نہ سناں تھی جیب اُسکی خوبصورت اور دل فریب تصویر کا بادشاہ کے مراۃ خیال میں عکس پڑتا تھا شاہجہاں زرا قطار روئے لگتا اور ایک نہایت ہی عالم سوز اور پردہ آہ کہنچ کر اس زخم مرہ سے زبان کو آشنا کرتا۔ بیت

زندگی بہر دیدن یار است

یار چوں نیست زندگی عار است

در حقیقت ممتاز محل کے اس حادثہ نے شاہجہاں جیسے خوش دل اور متین بادشاہ کو غم کا پتلہ اور حیرت کی تصویر بنا دیا تھا۔ اُسکی زندگی کا مزہ بالکل کمر کرنا ہو گیا تھا اور سارا پیش و نشاط کدورت و غم سے بدل گیا تھا۔ وہ بار بار کہا کرتا تھا کہ ممتاز محل دنیا سے کیا اتنی سلطان کی لذت اٹھ گئی بلکہ زندگی کا مزہ ہی جاتا رہا تو کیا وہ میری تمام شادمانیاں اور خوشیاں اپنے حسرت نصیب ارمانوں کی طرح کفن میں لپیٹ کر ساتھ لیتی گئی۔ میرے سارے پیش و نشاط اُس دلبر و غمگسار کے دیدار بغیر خاک میں مل گئے اور اب مجھے کسی خوشی کے حاصل ہونے کی بھی امید نہیں ہو سکتی۔

جب ممتاز محل کا انتقال ہوا ہے تو لوگوں کا گمان تھا کہ اُس کے خزانہ سے بیسار زر و جواہر اور کثیر التعداد روپیہ برآمد ہوگا لیکن جیب اُس مرحوم کے خزانہ اور تو شک خانہ کو دیکھا گیا تو بجز ایک کروڑ روپیہ نقد کے اور کچھ نہ نکلا اور قیمت سے معلوم ہوا کہ اس فیاض اور حوصلہ مند خاتون نے تمام زر و جواہر محتاجوں کی ہماں نوازی اور ننگہ بستوں کی حاجات برآری میں صرف کر دیا جس قدر تخواہ اسے سلطنت سے ملتی تھی وہ سب خیراتی کاموں میں صرف ہوتی تھی۔

ممتاز محل کی دولہدیاں اُس کے انتقال سے پیشتر ہی وفات پا گئی تھیں اور



اب صرف چار شہزادے اور ایک شہزادی بیگم نام اس کے بعد زندہ رہی تھیں  
شاہجہاں نے ممتاز محل کی وصیت کے مطابق اس کے تمام خاگی سامان  
اور ایک کروڑ روپیہ کے دو حصہ کئے ایک حصہ تو بادشاہ بیگم کے تقویض کیا جو  
سب سے بڑی شہزادی تھی اور جس کا مشہور نام جہاں آرا بیگم تھا اور دوسرا  
حصہ چاروں شہزادوں پر علی السوئیہ تقسیم کر دیا۔

شاہجہاں نے اس بیگم کے مزار پر ایک نہایت عالیشان قبرا و عظیم الشان  
عمارت اسکی یادگار میں بنوائی جس کا نام روضہ تاج محل رکھا گیا اور جواب  
تاج بی بی کے روضہ کے ساتھ شہرت رکھتا ہے۔ یہ تیسرا انگریز عمارت کمرا تھا  
کے اہتمام سے پورے بارہ سال کی مدت میں پچاس لاکھ روپیہ کے مرقے  
طیار ہوئی تھی۔ شاہجہاں نے اس کے مصارف اور خرچ کے لئے چند  
گھاؤں اور وہ تمام دکائیں جو اس کے اطراف میں موجود تھیں اور کچھ اب  
بھی ہیں مقرر کر دی تھیں جن کی سالانہ آمدنی دو لاکھ روپیہ سے زیادہ تھی  
اس با شان و شوکت عمارت کی مثال آج تمام دنیا کی وسیع سطح پر نہیں ملے  
نہیں ملتی یہ ایک ایسا دلکش اور پر فضا مقام ہے جسکی خوبی اور صفائی کے  
اظہار سے ہماری زبان و قلم دونوں عاجز ہیں۔

## امتہ الحبيب

یہ معزز اور شریف خاتون محمد معظم شاہ عالم بہادر غازی بادشاہ بن عالمگیر  
کی عزیز اور چاہتی بیگم ہے اس پری امثال اور حسین بیگم کی دیگر صورت اور  
زادہ فریب حسن و خوبی کی شہرت دور دور تھی۔ اس لائق اور مائل بیگم  
میں حسن و جمال کے علاوہ بہت سی ایسی خصوصیتیں اور قابل تعریف باتیں

پانی جاتی تھیں جن کی وجہ سے تاریخی صفحات اب تک روشن اور منور دکھائی دیتے ہیں اور جنہوں نے تمام مورخین سے اس کے لئے بہت سے تعریفی الفاظ مخصوص کرائے ہیں۔ فطرت نے اسے ہر بات میں وہ قابلیت عطا کی تھی جس کی مثال ایشیائی دنیا بالخصوص مشرقی حصوں میں بہت مشکل سے پائی جاتی ہے۔

مورخین کا یہ کہنا ہے کہ گو شاہ عالم غازی کی فتوحات کی وسعت کچھ کم وسعت نہ تھی مگر بہرہی اس کے فتوحات نے عالمگیر کے فتوحات کے پر سطح زمین پر ہاتھ پاؤں نہیں پیلائے تھے تاہم جس بے جگری اور بہادری سے اس نے فتوحات حاصل کی ہیں وہ عالمگیری فتوحات سے زیادہ سخت اور شدید ہیں اور یہ سب کچھ صرف اتمہ العجب کی حیرت ناک کوششوں اور اسکی بہادرانہ کارروائیوں کا نتیجہ تھا حقیقت میں یہ بیگم شاہ عالم کے بہت کام آئی اور اس نے ہر خطرناک اور پر خوف مقام میں اپنے معزز شوہر کا نہایت وفاداری اور جان نثاری سے ساتھ دیا اور ہر موقع پر اس کی ترقی میں جان لڑادی۔ شاہ عالم اگرچہ خود ہی زبردست اور اپنی بہت کا پورا اور مستقل ارادہ کا شخص تھا اور ہر ایک کام خوب سوچ سمجھ کر کیا کرتا تھا مگر پھر ہی اپنے ہر ایک خیال اور پولیٹیکل معاملات میں اتمہ العجب کی رائے کو ضرور شریک کر لیا کرتا تھا۔

اتمہ العجب کے دلچسپ واقعات میں ایک بہت بڑی اور قابل ذکر صفت یہ تھی کہ اپنے ملازموں کو ہمیشہ خوش رکھتی تھی اور ادنیٰ ادنیٰ سے کاظم ہزار بار دہ پیہ نقد اور لاکھوں کی جاگیریں انعام میں دلا دیتی تھی ایک لائین اور حکومت کے ہی خواہ مصاحب کو دم بہر میں دولت مند اور

مالدار بنا دینا اُس کے آگے کوئی بات ہی نہ تھی شاہ عالم کے تمام مصاحبین و خواص یہاں تک کہ وزراء اور ارکان سلطنت سب اس سے خوش تھے اور اس کی بات بات پر جان قربان کرنے کے لئے ہمیشہ مستعدی اور آمادگی ظاہر کرتے تھے۔

اکثر دیکھا گیا ہے کہ جو شخص زیادہ شجاع اور بہادر ہوتا ہے اُس میں رحم اور رقت ذرا کم ہوتی ہے بلکہ اسکی پالیسی ابتدا ہی سے تیز اور خونخوار ہو کر تی ہے لیکن اتمہ العجیب کی خلعت و فطرت اس کے بالکل خلاف اور نہایت مغائر تھی وہ اپنے اونے درجہ کے ملازمین کو اپنے بچوں کی طرح پرورش کیا کرتی اور تب کوئی ایسا وقت آپڑتا جس میں انہیں مایوسی اور ناامیدی ہو جاتی تو یہ ہر ایک کی بڑی شائستگی کے ساتھ دلجوئی کرتی اور تسلی آمیز الفاظ میں دُعا میں بند باقی تھی۔

گو شاہ عالم کی دوسری بیگم مہر پرور حسن و جمال اور عقل و دانش میں اتمہ العجیب سے کسی طرح کم نہ تھی مگر جو خاص خاص باتیں قدرت کے نازک اور فیاض ہاتھوں نے اتمہ العجیب کی فطرت میں کوٹ کوٹ کر بہر دی تھیں ادنیٰ میں مہر پرور کبھی اسکی برابر ہی نہیں کر سکتی تھی۔ بیشک مہر پرور حسین فاض تھی پر مغزا اور ہوشیار تھی حوصلہ مند اور عالی بہمت تھی اپنی خدا داد قابلیت اپنی فصیح البیانی اپنی شائستگی اپنی تہذیب میں بے نظیر تھی یہ سب باتیں تھیں مگر جو چیز شاہ عالم کی روح تھی یعنی بہادری اور شجاعت وہ اس میں نہ تھی یہ صفت اتمہ العجیب میں بطور جن پایا جب تاتہا اور اسی وجہ سے شاہ عالم بہادر جس کی پالیسی پچن ہی سے تیز اور خونخوار تھی اس بہادر خاتون کی بہادر پیر جان دیتا اور بات بات پر قربان

ہوتا تھا اور اسی لئے وہ زیادہ تر ایک تاریخی منظر بھی گئی تھی۔

یہ ایک عجب اتفاق کی بات ہے کہ ہمارے تذکرہ کی دونوں ہیرویں یعنی  
 اتمہ الجیب یا حمیدہ بانو بیگم محل شاہ امیر تیمور اور اتمہ الجیب محل شاہ عالم نصف  
 نام ہی میں شرکت رکھتی ہیں بلکہ اکثر اوصاف و اخلاق میں ایک دوسری کی  
 قدم بقدم دیکھی جاتی ہیں۔ ایک منصف اور بیغرض مورخ حجب ان دونوں  
 نامور اور ممتاز بیگموں کی تاریخی زندگی پر نصفت پسند نظر ڈالے گا تو دونوں  
 کو طرز معاشرت اور اخلاقی خیالات تمدنی اور علمی ترقیوں میں برابر اور یکساں  
 پائے گا جیسی حمیدہ بانو بیگم ایک پاکباز اور با عصمت خاتون تھی ویسی ہی یہ بیگم  
 بھی نہایت پاکدامن اور عفت آب عورت تھی جس طرح اُس نے اپنی جوانمردی  
 اور ہمیشہ شجاعت سے تیمور جیسے قہرناک اور سنجیدہ بادشاہ کو اپنا فریقہ اور شید  
 بنا لیا تھا نیز اپنی بیگمیری اور جانبازی سے کئی سخت اور کڑی نہیں خود سر کی  
 تھیں اسی طرح اس جانباز اور بہادر بیگم نے اپنے معزز خاوند کی ترقی میں  
 کئی خطرناک معرکوں میں جان لٹا دی تھی جس طرح وہ زرہ بکتر بہن کرا اور اسلحہ  
 سے آراستہ ہو کر فوج کی کمان کرتی اور خود دشمن کے مقابلہ کے لئے  
 میدان میں جاتی تھی اسی طرح یہ عصمت پناہ خاتون مردوں کی ہستیت میں  
 مسلح ہو کر مخالف کے عظیم الشان اور خونخوار لشکر پر نہایت زبردستی اور  
 بی رحمی سے حملہ آور ہوتی علیٰ ہذا القیاس جیسے حمیدہ بانو کا علمی فیاضی میں  
 تمام محل سرا کی بیگمات سے رتبہ بڑا ہوا تھا اور اس کا علمی مذاق معمولی  
 مذاق نہ تھا ویسے ہی اس معزز خاتون کی علمی ترقی کو بہت بڑا عروج تھا  
 جس طرح حمیدہ بانو نفاست پسندی اور بلند خیالی اور حوصلہ مندی میں  
 اوروں سے مستثنیٰ تھی اسی طرح اتمہ الجیب ان باتوں میں شاہی بیگمات

سے زیادہ ممتاز تھی۔ مجھے ان دونوں نامور جنگیوں کے موازنہ کے ذکر میں ایک ایسے واقعہ کے قلمبند کرنے کی ضرورت ہے جس سے اتمہ الحیب کی بہادرانہ کوششوں کا کافی ثبوت ملتا ہے اور میں ناظرین تذکرہ کو دکھانا چاہتا ہوں کہ جس بیگمری اور بہادری سے اتمہ الحیب نے صرف ایک مہم سر کی ہے وہ حمیدہ بانو کی چند مہموں سے کسی طرح کم نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ وہ تاریخی منظر میں عام دلچسپی اور نہایت قدر کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے نیز اس واقعہ سے اتمہ الحیب کی عقلمندی اور ہمت اور بہت و استقلال کا بھی ثبوت ہوتا ہے اور وہ واقعہ میدان جاجو کی جنگ ہے۔

اکبر آباد سے قریب سات آٹھ کوس کے فاصلہ پر ایک نہایت وسیع اور فراخ میدان ہے جسے جاجو کہتے ہیں اس مقام پر ۱۸۰۰ ریس اول سنہ گیارہ سو اسیس میں محمد اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر کے دو خونخوار لشکروں کا بڑی خونریزی اور سفاکی کے ساتھ مقابلہ ہوا۔

محمد اعظم شاہ اور شاہ عالم بہادر دونوں سوتیلے بھائی تھے عالمگیر بادشاہ نے اپنی حالت زندگی ہی میں نہ صرف ان ہی دونوں شہزادوں کو بلکہ اپنی تمام اولاد کو مختلف ملک تقسیم کر دیے تھے بلکہ خاص اپنے قلم سے اس مضمون کا ایک وصیت نامہ بھی مرتب کر دیا تھا اور اس سے اُس نیک نیت اور بیدار مغز بادشاہ کی صرف یہ غرض تھی کہ میرے انتقال کے بعد شہزادوں میں کوئی اس قسم کی نزاع نہ اٹھ کھڑی ہو جس میں ہزار ہا بندگان خدا کی نہایت بے دردی اور بیرحمی سے خونریزی کی جائے اور ان کے باہمی تنازعہ سے صد ہا بیگناہ مسلمان کہیرے لگڑی کی طرح کاٹ ڈالی جائیں مگر افسوس عالمگیر کی اس آرزو کا اُس کے جانشینوں کی باہمی خانہ جنگیوں اور سفاکیوں نے

ٹہری بیباکی اور دلیری سے خون کر دیا گیا اور اُس کی اس دلی تمنا کو بالکل خاک میں ملا دیا گیا۔ اور اہل اس دلی تمنا کو بالکل خاک میں ملا دیا گیا۔

الغرض محمد اعظم نے ایک بڑے خونخوار اور جرار لشکر کے ساتھ دکن سے جنبش کی اور شاہ عالم بہادر کے سلطنت کے جلتے ہوئے چراغ کو اپنے تیز فوجی ہوا سے بجھانے کی فکر میں یلغار کرتا ہوا گوالیار کے قریب آپنچا اس وقت اہل اردلی میں پیدلوں کے علاوہ پچاس ہزار نہایت خونخوار اور بہادر سوار تھے جن پر اسے ہر طرح سے کافی بہروسہ تھا۔ شاہ عالم بہادر کو جب خبر پہنچی کہ محمد اعظم شاہ ایک عظیم الشان لشکر کے ساتھ چلا آ رہا ہے تو اسے اتنے عجیب کی رائے اور شورہ سے پہری یہ انسانیت برتی کہ ایک خط جو صل میں خود امۃ الحیب نے اپنے ہاتھ سے لکھا تھا اُس کے پاس بھیجا چونکہ وہ خط امۃ الحیب کی ذہانت اور پرمغزی کے اعلیٰ درجہ کا نمونہ ہے نیز اُس سے اُسکی قابلیت اور لیاقت کا کافی طور پر ثبوت ہو سکتا ہے اس لئے ہم ناظرین کتاب کی دلچسپی کے لئے مجھنسہ نقل کرتے ہیں۔ وہو ہذا

غزیر من سلمہ

تہیں معلوم ہے کہ حضرت جنت آشیانی سلطان المعظم مرحوم و مغفور نے خاص اپنی قلم مبارک سے ایک وصیت نامہ مرتب فرمایا تھا جس کی منشا کے مطابق ہمیں اور ہمیں ملک تقسیم کئے گئے دکن کے چھ عظیم الشان اور باریب وزینت صوبوں میں سے تہیں چار صوبے مع صوبہ احمد آباد کے عطا ہوئے جو اس وقت تک تمہارے قبض و تصرف میں ہیں مگر ٹہری حیرت کی بات ہے کہ تمہارا حریص اور طامع نفس ان زرخیز اور جنت انگیز صوبوں پر بھی قناعت نہ کر سکا اور زیادہ طلبی نے تمہاری یہاں تک نوبت پہنچائی کہ اپنے ایک نہایت قدیم

خبر خواہ بہائی کے خون میں اپنے گھوڑے کے سم بہگوانے اور مسلمانوں کی خونریزی سے زمین تر کرنے کو بہادری سمجھنے لگے گو تمہارے یہ غلط اصول اور مغزورانہ اسلوب کوئی نتیجہ نہیں رکھتے تاہم اگر تم چاہتے ہو تو میں ایک دوصوبہ اور اپنی طرف سے تمہاری نذر کر سکتا ہوں کیونکہ میں اس بات کو کبھی پسند نہیں کرتا کہ میری تمہاری اس ذلیل و حقیر نزاع میں ہزار ہا مسلمانوں کی خونریزی کی جائے اور ایک کثیر التعداد خدا کی مخلوق بہادری اور ان لشکر کی خوشخوار تلواروں سے معدوم اور نیست و نابود کر دی جائے میں کافی یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ ایک بیگناہ مسلمان کی خونریزی کے قصاص میں اگر ایک عظیم الشان شہر کی آمدنی بھی دیدی جائے تو یہی اُس کے خون کی تلافی نہیں ہو سکتی۔ پس ہم تم کو چاہئے کہ والد ماجد کی وصیت پر نہایت سرگرمی اور کوشش کے ساتھ عمل کریں اور خدا تعالیٰ کی عطا کی ہوئی چیز پر بدل رہتی ہو جائیں اور جہانگیر بن پڑے فتنہ و فساد کے بڑھکتے ہوئے شعلوں کے بجائے میں سعی کریں۔ اگر تمہاری زیادہ طلبی اور نا انصافی تمہیں اسی پر مجبور کرتی ہے اور تمہاری رگوں میں شجاعت و بہادری کا خون دوڑ رہا ہے تو اس سے بہتر اور کوئی بات نہیں کہ میں اور تم بنفس واحد کسی محین میدان میں مقابلہ کر کے قسمت آزمائی کر لیں ہم میں اور تم میں تلوار فیصلہ کر دیگی اور میثار جانیں مفت ضائع ہونے سے بچ جائیں گی۔ مسلمانوں کی خونریزی سے میں کانپ کانپ اُٹھتا ہوں اور اسی لئے باصرار کہتا ہوں کہ تم اپنی اس غلط کاری اور ناہمی سے باز آؤ۔

میں حجت تمام کر چکا اور تمہارے جواب آنے تک منتظر رہوں گا۔ فقط

راؤ محمد معظم شاہ عالم بہادر ابن شہنشاہ عالمگیر حبت ایشیائی۔

حبیب اعظم شاہ کے پاس اُس کے بڑے بہائی کا یہ نامہ اور پیام پہنچا تو اول

اول وہ نہایت آشفۃ و برہم ہوا اور نہایت حقارت آمیز نظروں سے اولٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر جوں جوں خط کے مضمون پر اُسکی نظر آگے بڑھتی گئی وہیں اُس کی برہمی اور آشفۃ غیظ و غضب سے بدلتی گئی۔ انجام کار وہ خط کو پڑھ کر نہایت غضبناک ہو گیا بول اُٹھا کہ شاید اُس عقل و ہوش باختہ نے گلستان کا ہی مطالعہ نہیں کیا ہے اور اُسکی کوتاہی میں نظر فلاسفر سعدی کے اس مفید اور نتیجہ خیز فقرہ پر نہیں پڑی ہے کہ ”دو پادشاہ در اقلیمہ بکجہ دو درویش در گلیئہ بکسند“ اور پھر اپنے انتہائی غضب اور پر جوش و ولولے میں بائیں جانب سے جھٹ تلو اور گھسیٹکر یہ شعر بار بار پڑھنے لگا۔

چو فروا بر آید بلند آفتاب

من و گرز و میدان و افراسیاب

شاہ عالم بہادر سنوار اپنے خط کو جواب کا منتظر ہی تھا کہ جاسوسوں نے اطلاع دی کہ محمد اعظم شاہ کی فوج بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھی چلی آ رہی ہے اُس کا خاص ارادہ ہے کہ دریائے چنبل کو عبور کر کے اُسے اپنے تصرف میں لے آئے یہ خبر شاہ عالم بہادر کو کسی قدر گہرا دینے والی تھی وہ نہایت متذذب ہوا کہ میں کیا کروں اگر اعظم شاہ کا حملہ نہیں روکتا اور اُسے اُسی کی حالت پر چھوڑتا ہوں تو اپنے اہل و عیال سمیت قتل ہوتا ہوں اعظم شاہ نہایت بیرحم اور خونریز شخص ہے اُسے مخلوق خدا کے قتل کرنے میں ذرا تردد نہیں آتا اور وہ مسلمانوں کے خون میں اپنے گھوڑے کے سم بگونا اچھے سمجھتا ہے اور جو مقابلہ کرتا ہوں اور ناکام رہا تو مرجانا پڑے گا کیونکہ شکست کی حالت میں ایک بہادر حکمران کا اپنے دار الخلافہ میں رہنا بڑی ہی شرمناک بات ہے چنانچہ اسی فکر میں شاہ عالم اتمہ الحیب کے پاس گیا اور اس نے



اپنے پرپوت کمرہ میں لچا کر جو کیفیت تہی بیان کر دی اور کہا کہ اب میں اس معاملہ میں کیا کروں۔ ائمہ الحجیب نے دست بستہ عرض کیا کہ حضور یہ کچھ فکر کی بات نہیں ہے آپ کی محبت تمام ہو چکی ہے اور اب آپ کو دشمن کے حملہ روکنے اور اس میں مسلمانوں کی خونریزی ہونے میں ہی کسی قسم کا شرعی مواخذہ نہیں ہو سکتا بالفعل آپ اس بات کی تدبیر و انتظام میں کوشش کیجئے کہ دشمن دریائے چنبل سے عبور نہ کر سکے جینک غنیم کی فوج دریا کے عبور کرنے کی تدابیر میں مصروف رہے گی آپ اس عرصہ میں جنگ کا اتار چڑھاؤ بخوبی دیکھ سکیں گے اور اپنے عظیم الشان لشکر کو بخوبی تیار کر سکیں گے رسد کا بھی کافی طور پر سامان ہو جائیگا اور کسی بات کی زیادہ دقت اٹھانی نہ پڑگی شاہ عالم ائمہ الحجیب کی اس پرمغز عاقلانہ تحریر سے بہت خوش ہوا اور اُنسی اس مدبرانہ رائے پر عیش کرتا ہوا محل سے برآمد ہوا فوراً خان زاد خان اور صف ٹکن خان کو بلا یا جو نوچانہ کے دو بڑے بہادر اور خوشخوار داروغہ تھے ان دونوں نے داب شاہی کے پابند ہو کر عرض کیا کہ اس وقت جس حکم کی بابت ہیں ارشاد ہونے والا ہے ہم ہمہ تن گوش ہو کر اس کے سننے کے لئے مستعد ہیں ہم انکی تعمیل میں اپنی جانیں تک لٹا دیں گے اور ایک جان کیا ہزار ہوں تو فوراً قربان کر ڈالیں گے شاہ عالم نے ایک نہایت خوش آئندہ تبسم اور خندہ پیشانی سے فرمایا کہ تم اپنے ہمراہ چند فوجی بہادروں نیز ارغمان قراول کو ساتھ لیکر دریا کے پل پر قبضہ رکھو اور کسی طرح دشمن کی فوج کو عبور کرنے نہ دو اسی اثنا میں جاسوسوں کے رپورٹ نے بایں مضمون رپورٹ کی کہ اعظم شاہ کا ارادہ ہے کہ سوگدہ کی گزرگاہ سے ٹکڑا اور اکبر آباد کو لپش لپشت چھوڑ کر سامنے سے حملہ آور ہو شاہ عالم بہادر نے حکم فرمایا کہ فوج کا ایک بہاری دستہ سرائے جاجو کے ناکے پر نہایت ہوشیاری

کے ساتھ کھڑا رہے اور رستم خاں کو حکم ہوا جو شاہ عالم کی فوج کا ایک بڑا تجربہ  
کار اور نامور جنرل تھا کہ اپنی بھڑائی میں دو عین نویں افسروں اور کثیر التعداد توپخانہ  
کے سواروں کو لیکر گردادی میں مصروف رہے اور دشمن کے لشکر کی ہر حرکت  
دیکھ کر پے درپے اور تواتر خبریں پہنچاتا رہے۔

اسکے بعد شاہ عالم بہادر نے اپنی موجودہ فوج کے دو حصے کے ایک حصہ کو اتھمجب  
کی سرکردگی میں کیا اور دوسرا حصہ شہزادہ محمد عظیم کی کمان میں مقرر کیا اور خان  
زمان کی نسبت حکم صادر ہوا کہ فوج بندی میں مصروف رہے تاکہ جس وقت  
اتھمجب یا شہزادہ محمد عظیم کو فوجی مدد کی ضرورت پڑے فوراً مدد دی جائے  
شہزادہ محمد عظیم کی بابت فرمان جاری ہوا کہ اپنی والدہ اتھمجب کی رائے  
کے ذرا ہی خلاف نہ کرے باقی تین شہزادوں کو چھوٹے چھوٹے فوجی دستوں  
کی کمان دیکر ان کی ماتحت بڑے بڑے جہانگیرہ اور بختہ کارا افسر مقرر کر کے روانہ کیا۔  
اتھمجب تقریباً بیس ہزار فوج لیکر آہستہ آہستہ آگے بڑھی اسوقت اتھمجب  
کا فوٹو قابل ذکر ہے یہ اولوالعزم اور جوشیلی بیگم ایک آرد یا پیکر گھوڑے پر سوار تھے  
شمشیر بکف اس شاندار اور جبار لشکر کی سرکردگی میں پر شوق قدم اٹھاتے ہوئے  
آگے بڑھ رہی تھی اس کا سارا جہم سر سے پانوں تک لوہے میں غرق تھا زہرہ کبوتر  
پہنے ہوئے تھی۔ فولادی خود سر پر رکھا ہوا تھا۔ ایک لمبا سرچھا ہاتھ میں تھا۔ دو نو  
پہلوؤں میں نیام کی ہویں شمشیریں لٹک رہی تھیں۔ او سینہ کے قریب ایک زہر  
آلود خنجر لگا ہوا تھا پشت پر ترکش بڑے ہوئے تھے اور کمان موندھے میں لٹک  
کر جہم رہی تھی اسکی پرتمہ نظریں برابر عظیم کی گذرگاہ کی طرف اٹھ رہی تھیں اور  
چہرے کے فوری تغیرات بتا رہے تھے کہ یہ اس وقت کسی دو متضاد خیالوں  
کی الجھن میں گرفتار ہے بیشک اتھمجب کی اس وقت عجیب کیفیت تھی کبھی

اُس کے ذہن میں بہادروں اور جانبازوں کے خون سے بھیگی ہوئی زمین اور زخمیوں کی جاں خراش صدائیں اور ہزار ہا پلے تن سروں کا خون کے بہنے دیر یا میں غوطہ زن ہونے کا حسرتناک نظارہ ستاتا اور اسے اپنے پر رعب اور ہڈتہناک منظر سے دھلا دھلا دیتا تھا اور کبھی فتح کی خوشی اس کے رگ و پلے میں خون کی طرح دوڑ جاتی تھی۔

امتہ الحیب کو اتنا تو ضروری علم تھا کہ اس جنگ کا نتیجہ معلوم نہیں کیا ہونے والا ہے مگر ساتھ ہی اُسے اس بات کا کامل یقین تھا کہ اگر اس معرکہ میں فتح ہوگی تو میری عظمت و شان کا سکہ شاہ عالم کے دل پر اس سے بھی زیادہ بیٹھ جائیگا اور اگر خدا نخواستہ شکست ہوئی تو میری منہ شاہ عالم کو دکھانے کے قابل نہ رہے۔ غرض کہ اسی امید و یاس کے دو عجیب متضاد منظروں کی سیر کرتے ہوئے امتہ الحیب اپنے پیل پیکر گھوڑے کو تھامے ہوئے لشکر کے ساتھ آہستہ آہستہ چل رہی تھی۔

ادھر محمد اعظم شاہ نے اپنی فوج کی آراستگی بڑے انتظام کے ساتھ کی۔ پچاس ہزار خوشنوا سواروں کو ساتھ لیکر بڑی خوفناکی سے تلواریں برہنہ کئے ہوئے حملہ آور ہوا۔ یہ بالکل صحیح طور سے ثابت ہو گیا کہ محمد اعظم شاہ کے عمر کی تعداد بہ نسبت شاہ عالم کے کم تھی اور اس کا سامان جنگ اچھا نہ تھا مگر یہ بھی اس کے فوجی افسر بڑے تجربہ کار اور ہفاک اور قواعد جنگ سے بخوبی ماہر تھے نیز خود محمد اعظم شاہ بڑا بہادر اور شجاع شخص تھا اس نے اپنی فوج کی کمی اور بے سرد سامانی اور شاہ عالم کی کثیر تعداد و فوج کی ذرا ہی پرواہ نہ کی اور جس طرح ہو کا غضبناک شیر مکیوں کے گلہ پر جا بڑتا ہے اسی طرح محمد اعظم شاہ۔ شاہ عالم کی فوج پر پل پڑا حقیقت میں محمد اعظم شاہ کی یہ ایک بہت بڑی غلطی اور نا تجربہ کاری تھی کہ اپنے سامان جنگ کے عمدہ طور پر فراہم نہ ہونے اور لشکر کی تعداد میں کمی ہونے پر صرف اپنی

بہادری اور بیگماری کے غرور میں بہر کر ایسے خونخوار اور عظیم الشان معرکہ میں کود پڑا  
 اول تو اسے اپنے ایک وفادار اور جان نثار بہائی کے مقابلہ میں صف آرا  
 ہونا ہی نہ چاہئے تھا اور اگر بالفرض یہ ارادہ تھا تو اپنی فوجی طاقت کو کسی قدر  
 زیادہ وسیع اور دو لگند کر لیتا مگر افسوس اس نے ایسا نہیں کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا  
 کہ اس کی تمام فوج بڑی سفاکی کے ساتھ کھیرے لگ گئی کی طرح کاٹ ڈالی  
 گئی اور اس کی نفیٹش اڑ دیا پیکر گہوڑوں کے سموں میں نہایت پیر مہمی سے روندی  
 گئی۔ مگر بہر یہ ایک نہایت جیرتناک امر ہے کہ یا وصف اس کے کہ محمد اعظم شاہ کی  
 فوج کا سامان جنگ اچھا نہ تھا اور اس کی فوجی اور مالی طاقتیں مخالف کی نسبت  
 بہت کم تھیں لیکن تاہم جو بہادری اور دلیری اس موقع پر اس سے صادر ہوئی اس سے  
 اب تک تاریخی صفات روشن میں لشکر کے مہم نہ پر خود محمد اعظم شاہ موجود تھا اور میسرہ کو شہزادہ  
 محمد اعظم اس کا حملہ روکنے کے لئے بڑی مستعدی کے ساتھ کھڑے انتظار کر رہے تھے وہ بھی  
 سمت کی جانب آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا کہ دفعۃً شہزادہ محمد بیدار بخت محمد اعظم شاہ کا اشارہ  
 پاتے ہی ایک بڑے فوجی دستہ کو ساتھ لیکر شاہ عالم کے پیش خانہ پر جا پڑا دستہ علی خاں  
 جو چند فوجی افسروں کے ساتھ یہاں موجود تھا ہر چند کہ اس نے بڑی دلیری اور  
 جان بازی کے ساتھ اس کا حملہ روکنے میں کوشش کی اور نہایت سفاکانہ و مہیاکانہ  
 مقابلہ کیا لیکن انجام کار اسے شکست ہوئی تھوڑی دیر کی جنگ کے بعد میدان  
 صاف ہو گیا کچھ بہادر خون میں نہا تھا کہ ٹہنڈے ہو گئے اور کچھ طاقت نیرودہ  
 پاکر بہاگ کھڑے ہوئے محمد بیدار بخت کے لشکر نے شاہ عالم کے پیش خانہ کو  
 لوٹ لیا اور خمیہ میں آگ لگا دی اور جہانیاںک ہوسکا غارتگری اور لوٹ مار میں  
 کوشش کی۔

غافل اور خیر امتہ الحیب اور شہزادہ محمد اعظم کو جب اس مخالفانہ حملہ کی اطلاع

ہوئی تو دونوں نے اپنے عظیم الشان لشکر کو بڑی تیزی کے ساتھ اس طرف  
 عاجلانہ جنبش دیکر چپے ہر طرف سے فوجیں سمٹ سمٹا کر جمع ہوئیں اور نہایت تند و  
 تیز سیلاب کی طرح محمد اعظم شاہ کی فوج کے مقابل آپڑیں۔ اگرچہ اس خفیت سی  
 شکست سے شاہ عالم کی فوج میں ایک غیر معمولی انتشار پیدا ہو گیا تھا اور سارے  
 لشکر میں عام طور پر ایک بڑا ہلکا اور عام ترزلزل پڑ گیا تھا لیکن اتمہ الحبیب کی عاقلانہ  
 تدبیر اور دور اندیشی نے اس وقت بہت بڑا کام کیا اس نے اپنے دل میں خیال  
 کیا کہ اگر اس اول ہی حملہ کی شکست سے سپاہیوں کے دل چھوٹ جائیں گے  
 تو پھر مدت تک مقابلہ کرنا مشکل پڑ جائیگا۔ اس نے بڑی متانت اور سنجیدگی سے  
 اپنے فوجی سرداروں کی تسلی کی اور ان کے تذبذب و تردد کو باطل مٹا دیا۔

یہاں محمد بیدار بخت نے جب شاہ عالم کے پیش خانہ کی متعینہ فوج کو شکست دی  
 تو ذوالفقار خاں اور دیگر مقربان بولگاہ نے محمد اعظم شاہ سے عرض کیا کہ صلاح  
 دولت اس میں معلوم ہوتی ہے کہ آج فتح کے شادیانے بجا دئے جائیں اور آج  
 کی جنگ کا خاتمہ اسی کو سمجھا جائے حضور اپنا خیمہ یہیں نصب فرمائیں اور کل پہر  
 مقابلہ کے لئے لشکر کو جنبش کرنے کا حکم صادر کریں۔ کیونکہ آج کی شہرت فتح کے دبہ  
 سے کل دشمن کے لشکر میں مالگیری ترزلزل پڑ جائے گا اور بہت سے نامور اور  
 بہادر وہاں سے نکلکر ہماری فوج میں آ شامل ہوں گے اور ہندوؤں کی ایک جماعت  
 خود بخود راہ فرار اختیار کرے گی۔ ذوالفقار خاں کی اس تقریر سے محمد اعظم شاہ بجلی کی  
 طرح کوند گیا اور نہایت برہم و افروختہ ہو کر ایک نہایت کرخت آواز میں کہا کہ یہ  
 عورتوں کی مصلحت ہے بہادر اور خوشخوار آدمی اس قسم کی بردلانہ تدبیروں کو  
 اپنے حق میں ایک بہت بڑا شرمناک واقعہ خیال کرتا ہے۔ الغرض ابھی محمد اعظم شاہ  
 کی اکثر فوج غارتگری اور تاخت و تاراج ہی میں مصروف تھی کہ اتمہ الحبیب اپنی

جرار فوج کے ساتھ دفعۃً ٹوٹ پڑی اور بڑی تیزی اور سختی کے ساتھ دونوں طرف سے تلواریں چلنے لگیں تھوڑی دیر میں گزری تھی کہ امتہ الحبیب کی ہوشیار اور بہادر فوج نے مقابل کی فوج کے ایک بڑے زبردست اور خونخوار دستہ کو کاٹ کر ڈھیر لگا دیا۔ امتہ الحبیب ایک اونچے مقام پر کھڑی ہوئی اپنے سپاہیوں کی جانب بازی اور بھگدڑ کو پریشوق نظروں سے دیکھ رہی تھی اور اشاروں میں اپنے فوجی افسروں کو بتاتی جاتی تھی کہ یوں بڑھو اور اس طرح ہٹو۔

محمد اعظم شاہ کا جب ایک فوجی دستہ کٹ چکا تو اب ایک اور دستہ جو پہلے سے کسی قدر زبردست اور زیادہ خونریز تھا تلواروں کو علم کئے ہوئے آگے بڑھا۔ امتہ الحبیب نے اس وقت یہ بڑی ہوشیاری برتی کہ اپنے اس دستہ کو جو دیر سے لڑ رہا تھا پیچھے ہٹائے گئی اور دوسرا تازہ دم دستہ اس کے مقابلہ میں آئی۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے مخالف کی فوج کا کلہ بکلہ جواب دیا اور طرفین سے تیروں اور تلواروں کا مینہ برسے لگا یہ جنگ سخت گھمسان کی تھی۔ ہزاروں سر بیٹنے کی طرح اڑاڑ کر گر رہے تھے اور جاجو کا میدان بہادروں کے قویوں سے دریا کی طرح لہریں لے رہا تھا ہر طرف سے تیروں کی سائیں سائیں کی مددوش کرنے والی بہیت ناک آوازیں سنائی دیتی تھیں۔ زخمیوں کی دل دہلائی والی خطرناک آہیں بلند ہو رہی تھیں جو سینوں کو برابر چاک کرتی ہوئیں آسمان تک پہنچتی تھیں۔ توپ کی ہولناک گونج اور بان کی جانستان کر ملک نے نقارہ اور قرنائی آوازیں شمرکت کر کے میدان جنگ کو وحشت سے لبریز کر دیا تھا۔ دونوں طرف کے رزم جو دلاوروں اور شعلہ خومبارزوں نے معرکہ کارزار میں دلیرانہ قدم ڈالے اور جھگیں مارتھیں نے جو لوہے میں ڈوبے ہوئے تھے ہر طرف قیامت برپا کر دی۔ ابیات۔

چو گشت از دو سولشکر آریستہ جہانے بہ پیر خاش برخواستہ  
 دہا وہ بر آمد ز ہر ہسلوی چکا چاک برخواست از ہر سوی  
 ز بس خون کہ از کشتگان شیدواں محیط بلا گشت ہندوستان  
 بسے سر کہ بے تن شد از تیغ نیز نہ دست نبرد و نہ پایے گریز

اس سخت گھسان کی لڑائی میں راو ولپت بندیلہ اور راجہ رام سنگھ جن کی بہادری  
 شجاعت کی ایک عجیب دھوم چار دانگ عالم میں پہلی ہوئی تھی اور جن کی سفاکی اور  
 بیباکی کے ٹکے تمام جہان میں بچ چکے تھے بہت سے جنگجو مشہور سرداروں کے ساتھ  
 ائمہ الحبیب کے ماتھے سے قتل کئے گئے۔ لیکن اُس کے ساتھ ہی ائمہ الحبیب کو  
 اپنے ایک بہت بڑے افسر بازخان کے مارے جانے کا اس قدر صدمہ اور  
 افسوس ہوا جیسے وہ تمام عمر نہ بھول سکی۔ اس معرکہ جنگ کا ہی موقع زیادہ نازک  
 اور خطرناک تھا۔ جوں جوں لڑائی کو طول پہنچتا جاتا تھا ساعت بساعت اور لمحہ بلکہ  
 آتش پیکار کے شعلے زیادہ بھڑکتے جاتے تھے یہاں تک کہ خان عالم اور نورخان  
 جنہیں اُس زمانہ کے بہادروں نے صف شکن کا خطاب دیا تھا اور جن کی بھگبری  
 اور دلیری کی شہرت کا جہنم ادکن کے اکثر خوف معرکوں میں گھر چکا تھا گوہ پیکر  
 ہاتھیوں پر سوار ہو کر محمد اعظم شاہ کی فوج میں دلیرانہ بھگنے اور غضبناک شجاعت پیش  
 شیردوں کی طرح ڈھارتے ہوئے ایک نہایت ہی عاجلانہ جنبش سے شہزادہ کا اشارہ  
 پاتے ہی جہاں کے تھان بٹ کی طرح کہڑے رہ گئے۔ شہزادہ نے فوراً اپنا ہاتھی آگے  
 بڑھایا اور فوج سے علیحدہ ہو کر آہستہ آہستہ آگے کی طرف جنبش کی۔ منورخان نے  
 نہایت بیباکی کے ساتھ رستمہ حملہ کیا اور ایک بڑا نیزہ شہزادہ محمد عظیم کی طرف چلایا  
 شہزادہ نے بڑی پہرتی اور ہشیاری سے گو منورخان کے نیزہ سے اپنے تئیں  
 بال بال بچالیا لیکن پھر بھی اُس بہادر کے نیزہ کا وار باطل خالی نہیں گیا اور بال بال

قراول خاں کے موٹہ ہے پرا دھتا ہوا پڑا جو شہزادہ کے پس پشت بیٹھا ہوا تھا سپر شہزادہ نے برا فروختہ ہو کر فوراً حرلیت کے سینہ پر ایک زہر آلود تیر مارا یہ تیر ایسا کاری تھا کہ منور خاں آن کی آن میں ہاتھی سے نیچے جا رہا۔

خان عالم اپنے بہائی کے یوں مارے جانے سے سخت متاثر ہوا اور بے اختیار اسکا دل بہر آیا اس وقت اُسکی آنکھ میں سارا جہان ایک نابیک نظر تھا اور پُریم آنکھوں سے آنسوؤں کا دریا بہ رہا تھا انتقام کا جوش اُسکی رگوں میں خون کی طرح دوڑا اور وہ ایک بے اختیاران جوش کے ساتھ آبدار اور خونی نیزہ اٹھا کر شہزادہ محمد عظیم پر حملہ آور ہوا شہزادہ نے بڑی جستی و چالاکی سے اُس کا وار خالی دیا اور جلال خاں کے گلولہ تلنگ سے خان عالم نے بھی اپنے بہائی کے سر ہانے آرام کیا یہ دیکھ کر شہزادہ محمد بیدار بخت ابن محمد اعظم شاہ فوج کے ایک بہت بڑے زبردست دستہ کو ساتھ لیکر مخالف کی فوج میں گھس گیا اور چند ایسے پے درپے اور باہر توڑ وار کئے کہ مقابل کے بڑے بڑے فوجی افسروں کو مارے تلواروں کے زین کا پیوند کر دیا اس کے اس زبردست اور سفاک حملہ نے محمد عظیم کے لشکر کے پاؤں اکھیڑ دئے اور اُن کی آن میں اُس کا ایک بڑا مضبوط مورچہ فتح کر لیا گیا گوشا شہزادہ رفیع القدر شاہ عالم کا دوسرا فرزند اپنے بہائی کی مدد کیلئے ایک بہاری اور جرار فوج لیکر پہنچ گیا تھا اور اسی کے متصل شہزادہ محمد مغزالدین شاہ عالم کا تیسرا فرزند اپنی فوج لیکر موقع پر آدھکا تھا لیکن بیدار بخت کا ایک ایسی پوری قوت کا حملہ تھا جو کسی کے روکے سے نہیں رُک سکتا تھا اس نے چند منٹ میں مقابل کی تمام صفوں کو الٹ دیا اور بات کرتے میں دوسرے مورچہ پر بھی قبضہ کر لیا۔ محمد عظیم شاہ کو اس شکست سے سخت صدمہ ہوا اور اُس کے چہرہ سے ملال و افسردگی کے آثار ٹپکنے لگے اُسے سخت تذبذب تھا



کہ اب یہ دونوں مورچے کس طرح قبضہ میں آسکتے ہیں اسوقت امۃ الحجیب ہاتھی پر سوار  
تھی اور اپنی فوج کو روکے ہوئے ایک اونچی سطح سے اس خونخوار جنگ کے ہولناک  
منظر کو پر قہر کی نظروں سے دیکھ رہی تھی جب اُس نے دیکھا کہ حملہ آور فوج محمد عظیم کو  
برابر دبا جاتی چلی جاتی ہے اور دو مورچے فتح کر کے عنقریب تیسرے مورچہ پر پہنچا جاتی  
ہے تو وہ تہایت سنجیدگی اور استقلال سے پتیرا بد لے ہوئے آگے بڑھی اور حملہ آوروں  
کے پس پشت سے ایک نہایت بیباکانہ اور زبردست حملہ کیا۔

شہزادہ بیدار بخت جو اپنی فتح کی جوش مسرت میں آگے بڑھا چلا جاتا تھا دفعۃً اُس کے  
کان میں ایک گرنج کی سی آواز آئی جس سے تمام میدان گونج اٹھا معلوم ہوا کہ مخالف  
کی فوج نے پشت کی طرف سے حملہ کیا ہے اس نے گہرا کراہ کر ادھر کانٹا نکالا اور منقوحہ  
مورچہ پر واپس آکر ٹھہر گیا لیکن حقیقت میں اس کا دماغ ٹھہرنا ہی غضب تھا۔ اُن  
کی آن میں امۃ الحجیب کی فوجیں دور دور تک پھیل کر ہلالی شکل میں صف آرا ہو گئیں  
اور تمام راستے رُک گئے متصل تین گھنٹے تک یہ فوجی دریا لہریں لیتا رہا اور جانین  
میں سے کسی نے حرکت و جنبش کی جرات نہیں کی شہزادہ محمد بیدار بخت چونکہ حملے  
کرتے کرتے تھک گیا تھا نیز اب پورے طور پر محاصرہ میں آچکا تھا اور اس کے بہت  
سے وفادار اور جان نثار کام میں آچکے تھے لہذا اب اُسے حملہ کرنے کی توجہ  
نہ پڑی لیکن اُسکی دلیری اور مردانگی نے منقوحہ مورچوں پر سے قبضہ اٹھانے کی  
بھی اجازت نہیں دی۔

تین گھنٹے کے بعد امۃ الحجیب نے اپنی فوج کو گولہ باری کا حکم دیا اور اُس نے اس  
قدر متواتر اور پے درپے گولے برسائے جس نے محصورین کا بالکل کام تمام کر دیا  
اور انہیں میں بیدار بخت بھی ایک گولہ کی ضرب سے جاں بحق ہو گیا۔ یہ وحشت  
اشرفیہ اور جاگہ از واقعہ اُن کی آن میں محمد اعظم شاہ کے گوش گزار ہوا کہ تمہارا

فرزند لقمہ اہل ہو گیا۔ یہ خبر سنکر محمد اعظم شاہ کی بُری حالت ہو گئی۔ اس نے ایک دودا آلود آہ پُر آنکھ سیدنے سے کہنے لگی اور کلیجہ پر ہاتھ رکھ کر کہہ کر بیٹھ گیا وہ اول تو تھوڑی دیر حالتِ سکنت میں رہ کر اپنے فرزند کے غم میں خون کے آنسو روتا رہا تاں بعد اُس مست ہاتھی کی طرح جو شعلہ آگ کے بہرے ہوئے پہاڑ میں کود پڑتا ہے بڑی تیزی کے ساتھ دشمن کی فوج کا مقابلہ کیا اور دیر تک رستمانہ حملوں اور بہادرانہ کوششوں سے مقابلہ کرتا رہا۔ جو تیرا سکے کمان کے چلے سے مچکتا تھا ایک بہادر کو خانہ زین سے ننگوں زمین پر ڈالتا تھا اور جو خونی نیزہ اُسکے ہاتھ سے چلتا تھا ایک بڑے افسر کے ہودہ کو خون سے رنگین کرتا تھا جو اہل رسیدہ اُس کے سامنے آتا خاک و خون میں غلطاں ہوتا۔

زہر تیر کوششست پرداز کرد      تنے راز پیوند جاں باز کرد  
درا فگند خود را در اداں کارزا      چو شیرے کہ گور افگند در شکار  
برآمد خروشنے وہ و دار و گیر      چو باران ببارید ز وین و تیر  
گراں جنگ رستم بدیدے خواب      شدے از نہیںش دل و زہر آب  
اس معرکہ جنگ میں جو تھوڑی دجلادت اس زینبندہ خاندان تیموری سے ظاہر ہوئی اور جو کوشش و کشش اس نبرد آزما و الانسب سے وقوع میں آئی اُس کی مثال مشرقی حکمرانوں میں بڑی شکل سے پائی جاسکتی ہے۔

اس وقت کے جنگ کا یہ نظارہ بہت ہی دل فریب اور قابل دید تھا دن باکھل آخر ہو گیا تھا اندازاً سات بجے ہوئے رخصت ہونے والا زردی مائل آفتاب اپنی دھوپ کا سنہرا زیور پہنا کر دنیا کی قدرتی حسن و خوبی کی بہار آخری اولو دایہ نگاہ سے دیکھ رہا تھا۔ درختوں کے سائے بہادران معرکہ کی امید کی طرح اپنی سستے تباہ ہو رہے تھے۔ آفتاب کی مانند ادھر تھکی ہوئی کرنیں بھی بہا دوں گے

آبدارینروں پر پڑتی تھیں اور کبھی اونچے اونچے برجوں پر اور جب دونوں کا  
عکس ملکر زمین پر پڑتا تھا تو لوگوں کی آنکھوں میں ایک خیرگی اور چکاچوند سی پیدا  
ہو جاتی تھی۔

محمد عظیم شاہ اس خوف سے کہ کہیں جلد سورج نہ غروب ہو جائے بڑے بڑے کرنایات  
جیوی اور محبت کے ساتھ تاثر توڑ چلے کر رہا تھا اور فوج مقابل بڑی ہوشیاری  
سے اس کے زبردست حملے روک رہی تھی۔ انجام کار آفتاب مغربی گہاٹیوں  
میں غروب ہو گیا اور مشرق کی جانب سے ایک تاریک اور اندھیرا بخارا اٹھا جو  
رفتہ رفتہ سارے سطح آسمان پر پھیل گیا۔ شام سوچنے کے بعد ناچار محمد عظیم شاہ  
نے جنگ کے موقوف کرنے کا حکم دیا اور آج کی بقیہ جنگ کل کے لئے اٹھا  
رکھی گئی۔ چونکہ اتمہ الجیب کو بھی اپنے لشکر کی حالت بہت کچھ درست کرنی  
تھی لہذا اس نے بھی موقوفی جنگ کا اعلان منظور کر لیا۔

یہ رات خود محمد اعظم شاہ اور اسکی فوج کے لئے نہایت سخت رات تھی  
اسکی تمام فوج پر مخالفوں کا عرب بیٹھ گیا تھا اور مارے خوف کے دل ہل  
گئے تھے عام طور پر ایک شخص پر پریشانی اور افسردگی چھائی ہوتی تھی اور سب  
اپنی زندگی سے مایوس و ناامید ہو چکے تھے لیکن محمد اعظم شاہ نے یہ بڑی  
ہوشیاری برتی کہ خود آمادہ جنگ ہو گیا اور اپنی شجاعت کے وہ جوہر دکھائے  
کہ جس سے فوج میں ایک نیا وفادارانہ جوش پیدا ہو گیا۔ رات کے بارہ  
بجے کے قریب محمد اعظم شاہ نے ایک مجلس مرتب کی اور فوج کے تمام افسروں  
اور جرنیلوں کو بلا کر کہا کہ کل جتیک میں اکبر آباد فتح نہ کر دوں گا ایک منٹ  
چین سے نہ بیٹھوں گا تمہیں کل نہایت ہوشیاری اور بیدار مغزی سے  
کام لینا چاہئے۔

ادھر اتمہ الجیب رات بھر اپنے فوج کے انتظام اور مورچوں کی مضبوطی نیز شہر کے اور بیٹروں کے مستحکم کرنے میں مصروف رہی اور محمد اعظم شاہ کو بلا کر جنگ کے تمام آثار چڑھاؤ اور فراز و نشیب صاف صاف بتا دئے اور یہ بھی کہہ دیا کہ کل جیتک مخالفت کی فوج حملہ کرتے کرتے اوکٹا نہ جائے اور خوب عاجز و تنگ نہ ہو جائے ہم کبھی حملہ آور نہ ہوں۔

صبح ہوتے ہی تقاریر پر چوب پٹری اور دونوں طرف کے لشکر صف آرا ہو کر میدان میں آئے۔ آج سب سے پیشتر خود محمد اعظم شاہ ایک خونخوار فوج کے ساتھ حملہ آور ہوا اور پہلے ہی حملیں مخالفت کی فوج کو اپنی تیج بیدار بننے کے جوہر دکھائے اتمہ الجیب کی فوج آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتی گئی اور ساتھ ہی انہیں جواب بھی دیتی گئی۔ محمد اعظم شاہ نہایت بیباکانہ اور سفاکانہ حملے کرتا ہوا آگے بڑھا چلا گیا اور فوج کو پریشان و درہم برہم کر کے اتمہ الجیب کے باڈی گارڈ تک پہنچ گیا اسوقت محمد اعظم نے اپنی فوج کو لٹکارا اور بڑی جوانمردی سے مخالفت کے حملہ کو روک دیا فوج نے اپنے افسروں کا اشارہ پاتے ہی تلواریں نیام سے گھسیٹ لیں اور اپنی پوری قوت سے دشمن پر پل پٹری اس دن کی یہ جنگ کل کی جنگ سے بھی زیادہ خطرناک اور خونریز تھی اور اسی جنگ کے خاتمہ پر فریقین اپنی فتح شکست منظر سمجھتے تھے اسوقت جولائی کا گھمان تھا کسی طرح بیان میں نہیں آسکتا۔ بہادروں کے ہاتھوں کی تلواریں ٹوٹ ٹوٹ کر چور ہو گئی تھیں ترکشوں میں کوئی تیز نام کو باقی نہیں رہا تھا۔ گھوڑے انوں کے پیچھے سے بھگل گئے تھے کسی کو اپنے آپے تک کی خبر نہ تھی۔ میدان کے گرد و غبار اور بارود کے دھوئیں سے کوئی کسی کو پہچان نہ سکتا تھا۔ اسی اثنا میں محمد بیدار بخت کے چوٹے بہائی شہزادہ والا جاہ کے ہاتھی کی

متک پر ایک گولہ پڑا اور فیلبان کو لپٹا ہوا ہودہ میں پہنچ کر شہزادہ والا جاہ کا کام  
تمام کر ڈالا۔ اسی کے متصل ایک اور قہرناک گولہ پٹکا جس کے زمین پر گرنے سے  
پیشتر ایک نہایت حسین اور پری تمثال خاتون یعنی شہزادہ والا جاہ کی بیگم کی  
نفس ہاتھی کی پشت سے نیچے آ رہی۔ مورخین کا بیان ہے کہ شہزادہ والا  
جاہ کی سواری کا ہاتھی گولوں کے پے در پے زخموں سے تنگ آ کر اس کی  
نفس کو لشکر سے لے نکلا اور اکبر آباد کی طرف منہ اٹھائے چلا گیا۔ ہر چند  
محمد اعظم شاہ نے اپنے اس چوٹے فرزند کی نفس کا پتہ لگانا چاہا مگر افسوس کہیں  
سراغ نہ چلا۔

اس کے بعد محمد اعظم شاہ کی فوج نے قریباً تین گھنٹہ تک کوئی حملہ نہ کیا۔ اس وقت  
امتہ العجب نے مناسب سمجھا کہ خود حملہ آور ہو کیونکہ وہ نہایت تجربہ کار تھی اور  
لڑائی کے چڑھاؤ اتار سے بخوبی واقف تھی اس نے اپنی فوج کے میمنہ کو حکم  
دیا کہ آہستہ آہستہ آگے بڑھے اور جوں ہی دشمن زبرد پر آجائے اپنی پوری طاقت  
سے اچانک پل پڑے چنانچہ فوج کے میمنہ نے تدریجی جنبش کی اور نہایت  
آہستگی سے آگے قدم بڑھائے اور ساتھ ہی میسر نے بھی حرکت کی شہزادہ  
محمد اعظم اور امتہ العجب بھی دھیں بائیں پیرے کاٹتے ہوئے اشاروں ہی اشاروں  
میں فوجی افسروں کو بتاتے اور سمجھاتے آگے بڑھے۔ ادھر سے محمد اعظم شاہ  
کی فوج نہایت خوفناکی سے برہنہ تلاویں اٹھائے ہوئے اس طرف بڑی مگر  
چونکہ یہ فوج نہایت ہوشیار اور تجربہ کار تھی تھوڑی دیر علک ٹھہر گئی اور مقابل  
کی فوج کی زبرد نہ آئی گھنٹہ بہ کامل جنگ ہوتی رہی اور طرفین کے افسر سینہ  
بسینے جواب دیتے رہے آخر امتہ العجب نے اپنے افسروں کو کچھ اشارہ کیا کہ  
کی تمام فوجیں فوراً ہلال کی طرح صف آرا ہوئیں اور محمد اعظم شاہ کو مالہ کی مانند

چاروں طرف سے گھیر لیا۔ اسی اثنائیں قبلہ کی طرف سے جہاں شاہ عالم کا عظیم الشان لشکر آمادہ پیکار کھڑا تھا ایک نہایت تیز و تند ہوا کا قہرناک جھکڑ چلنا شروع ہوا جس کی وجہ سے اپنی خوش قسمتی سے ایسے موقع کو بہت قیمت جانا اور اپنی فتح و کامیابی کا مقدمہ سمجھ کر لشکر کو گولہ باری کرنے اور تیروں کا مینہ برسانے کا حکم دیدیا۔ جو تیر کہ جہاں آشوب ہوا کی مدد سے محمد اعظم شاہ کے لشکر پر پڑتا تھا زہرہ بکمر کو چھیدتا ہوا پار ہو جاتا تھا اور جو سنگر زہرہ اس ہوائی طوفان کی تائید سے دلاوروں کے لگتا تھا گولہ تنگ کا کام دیتا تھا۔

الغرض اس وقت کی یہ جنگ نہایت ہی خونریز اور زیادہ خطرناک تھی اعظم شاہ کی کثیر التعداد فوج کام میں آچکی تھی اور وہ اب ہوا کی مخالفت اور اپنی بد قسمتی کی وجہ سے بالکل مایوس و ناامید ہو گیا تھا اس کے لشکر کی آنکھ میں تمام عالم تاریک اور سیاہ معلوم ہوتا تھا۔

زگر دے کہ برخاستہ رزم گاہ جہاں گشت و چشم مردم سیاہ  
بدانگو نہ گم شد و راں گرد دہر کہ مے جت با صدد چرخش سپہر  
اس جنگ کے اول حصے میں اگرچہ محمد اعظم شاہ کے سناکانہ حملوں اور رستائے کوششوں نے اُس کے تمام افسران فوج کو یقین دلا دیا تھا کہ بیشک آج یہ پالا ہمارے ہی ہاتھ رہے گا اور فتح کے ڈنکے ہمارے ہی نام پر بجیں گے اور تھوڑی دیر کے لئے ایسا ہی ہوا ہی کہ شاہ عالم کی فوج باوجود اپنے غلبہ کے اُس دریاے غیرت کے نہنگ کے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر قریب تھا کہ شکست کھا کر بہاگ جائے لیکن افسوس اُن کی یہ خوشی ایک عارضی خوشی تھی۔ اس خونی اور قہرناک ہوا کا چلنا ان کے لئے غضب ہو گیا اور اُسکی پریشانی اور ہولناکی نے دشمن سے پہلے ہی انہیں شکست دیدی اور ان کے انگشت اور پیشانی ببادروں کو خاک میں ملا دیا

گو اس وقت محمد اعظم شاہ کے بازو بالکل ٹوٹ گئے تھے مگر وہ پہر بھی حملے کرنے سے باز نہ آتا تھا۔

ذوالفقار خاں جو محمد اعظم شاہ کی فوج کا ایک بہت بڑا معزز اور بہادر جنرل تھا او شاهی دربار میں امتیازیہ نظروں سے دیکھا جاتا تھا جب اس نے دیکھا کہ ہمارے لشکر کے بیشتر بہادر کٹ چکے اور کثیر التعداد دلا در زخموں سے چور چور کر دئے گئے نیز محمد اعظم شاہ ایک ایسے سنگین اور زبردست محاصرہ میں آچکا کہ اب اس کا جانبر ہونا نہایت دشوار اور سخت مشکل ہے تو محمد اعظم شاہ کے پاس گیا اور شاهی آداب بجا لاکر عرض کیا کہ حضور مصلحت وقت اسی امر کی متقاضی ہے کہ آپ اس جنگ سے دست بردار ہو کر پیچھے ہٹ چلے اور کسی مامن میں پہنچ کر اپنی فوجی طاقت درست کیجئے اور پھر اگر مناسب ہو تو اس کے تدارک و تلافی میں کوشش کیجئے۔ سنا جی کے بادشاہوں نیز آپ کے آبا و اجداد کے سلسلہ پر جب نظر ڈالی جاتی ہے تو ایسی بہت سی نظیریں اور مثالیں ان میں بھی پائی جاتی ہیں وہ تقاضے وقت اور مصلحت کو ہاتھ سے نہ دیتے تھے اور ایسے نازک اور پرخطر موقع سے تنہا نکل آنا مناسب سمجھتے تھے۔

محمد اعظم شاہ ذوالفقار خاں کی یہ تقریر سنکر نہایت برا فرد ختم ہوا اور گوا سکے غصہ کی آگ پوری ہلک چکی تھی مگر پھر بھی اس نے ذوالفقار خاں کے قدیم خدمت کی بہت رعایت کی اور اپنے میں سنبھال کر کہا۔ بہادر ذوالفقار خاں! تم اپنی جان جہاں چاہو سلامت لیجاؤ لیکن میری حرکت و جنبش اس سرزمین سے دشوار ہی نہیں بلکہ سخت محال ہے۔ پہاڑوں کا اپنے مقام سے ٹل جانا آسان ہے مگر بہادر کامر کہ جنگ سے قدم ہٹنا آسان نہیں پاؤ شاہوں کے لئے تخت ہوتا ہی بایختہ۔

اس کے بعد ذوالفقار خاں اور حمید الدین خاں وغیرہ اعظم شاہ کی رفاقت چھوڑ کر

گوالیار چلے گئے اور ان کے چلے جانے سے بہت سے شکستہ دل لوگوں نے  
 راہ فرار اختیار کی اب اعظم شاہ کے رکاب میں بجز دو تین سو سواروں کے اور کوئی  
 نہیں دکھائی دیتا اور اس نازک اور بیکسی کے وقت کوئی اسکا یار و مددگار معلوم نہیں ہوتا  
 انجام کار اعظم شاہ اپنے تئیں ہزار باخو سواروں کے پنجہ میں گرفتار پا کر چلا اٹھا کہ  
 ”شاہ عالم مجھ سے جنگ نہیں کر رہا ہے بلکہ مجھ بد قسمت اور برگشتہ بخت سے خدا  
 پس گیا ہے۔“

اعظم شاہ ایک کوہ پیکر ہاتھی پر سوار تھا اور پیراہری میں تہ زادہ عالی تبار بیٹھا ہوا تھا جسے  
 اعظم شاہ نے اُسکی صغیر سنی کی وجہ سے اپنے ساتھ ہودہ میں بٹھالیا تھا اور تیر و گولہ  
 کے صدمہ سے اُسکی محافظت میں زیادہ کوشش کر رہا تھا یکایک اعظم شاہ کے  
 فیضان کے سر پر ایک گولہ ٹپکا اور اپنے ساتھ ہی زمین میں اُسے ہی لیتا گیا بجز چند ہاتھی  
 بے شمار زخموں کی وجہ سے نہایت مضطرب اور بے قرار تھا نیز اعظم شاہ پے در پے بلقان  
 زخموں کے پہنچنے سے پہلے راہ قیام گامزن ہونے پر مجبور تھا لیکن اُس نے لمحاظ  
 غیرت و شجاعت پر بھی انتہا سے زائد خود داری برتی اور بڑی جوانمردی و مردانگی  
 سے ہودہ کے اندر سے پاؤں نکال کر ہاتھی کو آگے بڑھنے کا اشارہ کیا۔

بد قسمتی سے اعظم شاہ کا ہاتھی زخموں سے اس درجہ جو رہ گیا تھا کہ اب اُس میں جنبش  
 کرنے تک کی طاقت باقی نہ رہی تھی اس شجاع بادشاہ چاہا کہ ہاتھی کو بٹھا کر اترتوں  
 اور گہوڑے پر سوار ہو کر ایک اور دفعہ قسمت آزمائی کروں لیکن چونکہ اُس کی عمر کا  
 آفتاب غروب ہونیکے قریب تھا اور اُسکی زندگی کا پیمانہ لیریز ہو کر چلک جانیا لا تھا  
 لہذا وہ اپنے اس ارادہ میں کامیاب نہ ہو سکا اور دفعہ ایک زہر آلود تیرا سکی پشانی  
 پر لگا تیرا ایسا کاری تھا جس سے اعظم شاہ بیہوش ہو گیا اور پھر کبھی ہوش میں نہ آنا  
 اُسے نصیب نہ ہوا۔



رستم علی خاں فوراً اس طرف لپکا اور عظیم شاہ کے ہاتھی پر چڑھ کر اس کا سر تلوار سے کاٹ ڈالا۔ شاہ عالم بہادر کے لشکر میں فتح کا نعرہ بلند ہوا اور خوشی کے شادیانے بجنے لگے۔ بہادروں کے نعرہ فتح اور تقاروں کی صدا سے سارا میدان گونج اٹھا اور ہر طرف سے تہنیت مبارکبادی کی آوازیں بلند ہوئیں محمد بہادروں کے دل جوش و اثر سے معمور تھے شاعرانہ جذبات کی تحریک سے خود بخود جبہ جستہ مصرعے اور مثنویوں فقرے زبان پر آتے جاتے تھے اسی اثنا میں کسی نے محمد عظیم شاہ کی وفات کا تاریخی مادہ یوں نکالا ”ہائے محمد عظیم“

نہروں کی گونج ابھی ختم نہیں ہو چکی تھی کہ نامور رستم علی خاں محمد عظیم شاہ کا سر لیکر شاہ عالم کے پاس پہنچا۔ یہ سر اس کے دامن میں لپٹا ہوا تھا دامن میں سے سر نکالا اور اس کے خون آلود زخسارہ کو دانتوں سے چبا کر شاہ عالم کے ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیا۔ شاہ عالم کو بزدل رستم علی خاں کی نیند نہایت اور ذلیل حرکت سخت ناپسند ہوئی اور اس نے پہلے اس ناپاک اور سنگ سیرت کی طرف بڑی تند اور پُر تہر نظر سے دیکھا پھر بڑی رقت کے ساتھ اپنے بہائی کی اس زبون حالت پر خون کے آنسو دیا۔

شاہ عالم اسی وقت ہاتھی سے اتر کر ایک مختصر خیمہ میں جو ایک بلند سطح پر زمین کے مستطیل قطع میں ایسا وہ تھا آیا اور دو رکعت نماز شکر ادا کر کے حکم صادر کیا کہ محمد عظیم شاہ کے فرزند عالی تبار اور بیدار بخت کے فرزند بیدار دل کو حاضر کرو بموجب حکم کے یہ لوگ خیمہ میں حاضر کئے گئے شاہ عالم نے کمال لطف و محبت سے انہیں گود میں بٹھایا اور مہربان باپ کی طرح مشفقانہ ہاتھ ان کے سر پر ہیر کر امان جان کی خوشخبری دی اور اپنے فرزندوں کی طرح انکی پرورش و تربیت کا حکم دیا راز بعد عظیم شاہ کی عمل سرائی تمام مہوم مستورات کی تسلی کی مگر رستم تعزیت ادا کرنے کے لئے خود ادا دل کے فرود گاہ میں گیا۔

غرض کہ یہ ایک مشہور واقعہ ہے جو تاریخی منظر میں پرشوق نظروں سے دیکھا جاتا ہے اور جس نے بے اختیارانہ تعویذی الفاظ اترے الجیب کی شجاعت و مردانگی اور محبت و استقلال کے لئے موزین سے مختص کر لئے ہیں۔

## ارحم بالی یا قدسیہ گیم

یہ زہرہ جہیں خاتون ابو الفتح محمد شاہ خلف جہان شاہ ابن بہادر شاہ کی معزز بیگم تھی دراصل یہ بیگم بڑی بیدار معزز اور ہوشیار تھی اور اپنی پر معزز خاندانہ رائے سے بات بات میں وہ نتائج پیدا کرتی تھی جنہیں سنکر بڑے بڑے عقلمند و ملک سجاتے تھے مگر افسوس محمد شاہ کی متکون المزاجی غیر استقلالی اور عیش پسندی نے اسے بھی اپنے رنگ میں رنگ لیا اور اب اس کی نوبت یہاں تک پہنچی کہ رات دن شراب میں معمور اور نفرت انگیز عیش و عشرت میں ہمیشہ مبتلا رہتی اس کا سارا چوچال پنا اور تیزی طبع جو دت ذہن کجغت شراب کی بدولت غارت ہو گیا اور بجائے ان اخلاقی خیالات اور سالیست و مہذب عادات اور نتیجہ خیز اطوار کے جو پیشتر اس میں پائے جاتے تھے اب نہایت مبتذل اور ناموزوں اور حقیر باتیں پیدا ہونے لگیں جو مہذب اور خدا ترس لوگوں کے نزدیک نہ صرف مذموم و مکروہ تھیں بلکہ نہایت نفرتناک اور وحشت انگیز تھیں۔ اور یہ نتیجہ صرف اس بُری صحبت کا تھا جو ہمیشہ اس کے گلے کا مار رہتی تھی۔

محمد شاہ نہ صرف کاہل اور عیش پسند ہی تھا بلکہ حکومت کے قواعد و ضوابط اور سلطنت کے آئیں و آداب سے محض غافل تھا۔ سلطنت کے آثار چڑھاؤں میں بھی کبھی اس نے غور نہیں کیا اور اس کے فرار و نشیب کو کسی وقت آنکھ نہ کھول کر نہ دیکھا ہی غفلت و بیخبری اور کاہلی و عیش پسندی تھی جسکی وجہ سے موزین نے اسکی سخت بھولکی ہے اور حقیقت

وہ اس کا سخت ہے اسکی اس غفلت و بے پروائی کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت مغلیہ پر ایک عام زوال کی گہٹا چھا گئی اور سارے ملک میں عموماً اندر ٹھگیا۔ صوبوں کے حکمران خود سر ہو گئے اور ہر ایک نے بغاوت کی جہاں سوز آگ بھڑکا دی یہ سڑوں نے یہاں تک زور باندھا کہ ولی تک کو لوٹ لیا اور یہ بربادی و غارتگری ایسی سخت اور شدید ہوئی کہ ہر دلی والوں کو کبھی پنپنا نصیب ہی نہیں ہوا اسی اثنا میں دہلی ہندوستان پر حملہ آور ہوا جو ایشیائی دنیا میں نہایت خوشخوار اور سفاک بادشاہ گذرا ہے اسکی پیرحمی کے تمام دنیا میں ڈنکے بج گئے تھے اور اس کے زمانہ کے بادشاہ اسکی پیرحمی اور سفاکی سے تہراتے تھے۔ محمد شاہ کو اس حملہ آور بادشاہ کی اس وقت خبر ہوئی جب وہ پانی پت پر ایک عظیم الشان لشکر سے آدھکا اس مقام پر ایک نہایت ہی خوشخوار اور پرخطر جنگ ہوئی جس میں محمد شاہ کو کھلی شکست نصیب ہوئی نادر شاہ یہاں سے برابر قتل و غارت کرتا ہوا سیدہ دلی پہنچا اور ایک قتل عام کا حکم دیدیا کیونکہ نادر شاہ کی آتش مزاجی و خوشخواری اور اس کے لشکر کی خود سری و بے اعتدالی کبھی اسے ایک مدت پر قائم نہ رکھتی تھی اسکی طبیعت بالکل بہانہ جو واقع ہوئی تھی یہاں محمد شاہ کی طرف سے کوئی غلط خبر سنکر آگ بگولا ہو گیا اور یہ خفیت نذر اسکی مطلب برآری کے لئے کافی تھا پھر کیا بے گناہ دلی والوں کے سر شیعہ کی طرح اڑنے لگے اور ہر گلی کوچے میں نادر یوں کی خونریز تلواروں نے قیامت برپا کر دی خدا کی بے گناہ مخلوق ایک ایسی کثیر تعداد میں قتل کی گئی کہ شاہراہوں کے رستے رک گئے۔

اس عظیم الشان قتل و غارتگری کے بعد نادر شاہ نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دیا اور اسی کروڑ روپیہ کا مال و اسباب ہندوستان سے لوٹ کھسوٹ کر ساتھ لے گیا۔ یہ کثیر المقدار اور بے اندازہ نقصان ہندوستانیوں کو صرف محمد شاہ کی

میش پسندی اور قابل تفرزندگی کی بدولت اٹھانا پڑا اور بادشاہ کی اس عیاشی کا ملک و قوم پر یہ اثر پڑا کہ سب لوگ کابل اور عیاش ہو گئے بالخصوص قدسیہ بیگم کی موجودہ حالت نہایت ہی خراب اور انتہا درجہ کی ذلیل ہو گئی۔

نواب قدسیہ بیگم کی طبیعت نہایت موزوں تھی اور وہ اکثر اوقات اردو زبان میں طبع آزمائی کیا کرتی تھی اس نے اپنا تخلص رعنائی رکھا تھا اس کا ایک یہ شعر مشہور اور زبان زد خاص و عام ہے۔

ہم جانتے تھے آنکھ لگی دل کو کدھ ہوا  
کہ گفت کیسی آنکھ لگی اور کدھ ہوا

اس بیگم نے اپنے شوہر کے انتقال کے بعد شاہجہری احمد شاہ کے عہد میں ایک نہایت موزوں اور مصفا باغ بنوایا جس کا نام اپنے نام پر قدسیہ باغ رکھا اس خوشنما اور مالیشان باغ میں ایک نہایت دل فریب بارہ درمی اور ایک شاندار مسجد بھی تعمیر کی گئی جو اس وقت موجود ہے اور اپنے بانی کی شان و عظمت کی عمدہ طور پر یاد دے رہی ہے۔

قدسیہ باغ دہلی کے مشہور و معروف کشمیری دروازہ کے باہر دائیں جانب بڑے صاحب کی کوٹھی سے دروازے واقع ہے یہ مالیشان اور پر شوکت باغ کسی زمانہ میں اپنی خوبی عمارت اور عظمت و شان کے لحاظ سے ہندوستانی دنیا میں اپنا نظیر نہیں رکھتا تھا۔ قدیم زمانہ میں جو اسکی صورت بیان کی گئی ہے افسوس وہ اب باقی نہیں رہی احاطہ کی چار دیواری جو نہایت مستحکم اور خوبصورت بنی ہوئی تھی وہ اب بالکل شکستہ اور منہدم ہو گئی ہے بہر حال کہ اسکی راستگی اور خوشنمائی کی طرف کسی کو ذرا بھی توجہ نہیں اور ہندوستانیوں کے مذاق کے لحاظ سے کوئی دلچسپ اور نشاط انگیز بات یہاں موجود نہیں ہے مگر تاہم اسکی

بے انتہا وسعت اور فرحت انگیز عمارت و فتنہ انسان کو تھیر لیکر مرعوب اور حیرت زدہ کر دیتی ہے۔ سایہ دار درختوں کی دور دور یہ قطاریں دو تہ تک چلی گئی ہیں اور جہاں تک نظر کام کرتی ہے بجز ہی بجز نظر آتا ہے۔

حقیقت میں یہ باغ عجیب و غریب اور نہایت حیرت افزا ہے اور باوجود باغ بہاروں کی بے توہی اور کم التفاتی کے بھی ایسا تروتازہ اور سرسبز و شاداب اور پُر فضا ہے جسکی تعریف و توصیف میں تیز رفتار قلم عاجز ہے۔ بیچ میں ایک نہر ہے جو بہت صاف اور تہرے ہوئے پانی سے لبریز رہتی ہے۔ اس باغ کے اندر ایک نہایت خوشنما اور عظیم الشان بارہ دری ہے اور اس میں بڑے وسیع اور دلچسپ نشہ نشین میں مگرافوس کہ اب یہ بارہ دری جا بجا سے ڈھ چلی ہے۔ بیرونی دکھاؤ سے بیشمار برساتوں کے گزر جانے کے باعث تمام استرکاری پر سمیت ناک سیاہی دوڑ گئی ہے اور اینٹوں تہوں پر اکثر جگہ بجز سیاہی مائل کالی جمی ہوئی نظر آتی ہے۔ اندر سے اس کی یہ صورت ہے کہ چونہ اور استرکاری اینٹوں کو چھوڑ چکی ہے اور اب صرف گرنے ہی کی کسر باقی رہ گئی ہے۔ اسکی چتیں گو بڑی خوبصورتی اور خوشنما کے ساتھ بنائی گئی تھیں مگرافوس کہ اسکی خوشنما اور رونق کو اس کے عروج کا زمانہ اپنے ساتھ لیتا گیا اور بخت یہ نے اسے بھی اپنے رنگ سے رنگ دیا۔

اس عجیب اور خوشنما بارہ دری کے عقب میں ایک پائیں باغ ہے جو شادابی اور تروتازگی میں اپنا آپ ہی نظیر ہے مگر مدتوں کی بے ممتی اور نادستی مازک باغبانوں کی حیرت انگیز حسرت اور عجیب ناک کاریگری کو بالکل بے رونق کئے ہوئے ہے تاہم اس کا خوش فضا اور سرسبز چمن اور پُر تکلف و آراستہ تختے اپنے بانی کے امیرانہ شوق اور اسکی حوصلہ مندی اور فیاضی کا بہت بڑا ثبوت ہے

رہے ہیں مگر اس کے ساتھ ہی انکی بعض بعض موجودہ ویران حالت دیکھ کر اس امیرانہ شوق پر بہت بڑا افسوس آتا ہے جس نے اس مالیشان اور پر رونق باغ کی بنیاد ڈالی تھی اسی باغ میں ایک نہایت خوش وضع اور شاندار مسجد بھی ہے جو سر سے پاؤں تک سنگ مرمر سے بنائی گئی ہے تمام زمین میں پختہ فرش ہے درو دیواریں عمدہ پچی کاری کا کام کیا ہوا ہے اور نہایت عمدہ میل بوتے بنے ہوئے ہیں۔ اس وسیع اور خوش فضا مسجد کی عمارت پر اجمالی نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انکی تعمیر میں ایک کافی مقدار رقم صرف ہوئی ہوگی لیکن افسوس کہ اب وہ بالکل ویران اور غیر آباد پڑی ہے عمارت نہایت بوسیدہ اور خراب ہوگئی ہے محض میں کورٹے کرکٹ کا ڈیسر لگا رہتا ہے خاک کے تودوں نے فرش کو چھپا کر کہا ہے غرض کہ وحشت اور گمرانی کی پوری تصویر ہے۔

## اکبر آبادی یا اعز النساء بیگم

یہ شاہجہاں کی دوسری بیگم ہے جو اپنی دلغریب نزاکت اور دلگیر صورت میں منظمی و اوجہ جمال ناز و انداز عقل و دانش غرض کہ کسی بات میں ممتاز محل سے کم نہ تھی۔ گو ممتاز محل اپنی بعض بعض حد سے بڑی ہوئی قابلیتوں کی وجہ سے جو اس کے ساتھ قدرتنا مخصوص نہیں ایک نہایت ہی عظمت خیز و قارا و شان شوکت تکمیل رکھتی تھی لیکن اعز النساء بیگم نے اپنے متواضعانہ اخلاق اپنی لاویز کاری اپنی قابل تعریف فلسفہ سازی اپنی بے مثل سخاوت سے شاہی حرم ہر اک کی تمام مستورات میں ہر دلغریزی پیدا کر لی تھی۔ اس کی تمدنی اور تعلیمی ترقیوں نے نہ صرف شاہجہاں ہی کو اپنا گردیدہ بنالیا تھا بلکہ محل کی تمام بیگمات بالخصوص ممتاز محل کی تامورا و مہر خزا و لا کو بھی مطلع کر لیا تھا اس نے اپنے شائستہ اخلاق اور نیک

عادات سے اپنے بہت سے دوست بنائے تھے اور اپنی عالمگیر فیاضی اور  
تہذیب و مروت اور حمدی سے تمام محل پر اپنا اثر قائم کر لیا تھا چونکہ اس محل  
اور مافل بیگم کی طبیعت میں آزادی اور خود سری کا بہت بڑا عنصر تھا لہذا اسے  
رفت خیال - قوت بیان - زور کلام - جوش تاثیر کا بہت بڑا حصہ حاصل تھا  
اور اس کی زبان جوش اور تاثیر سے بھر پور تھی لیکن یہ بات با فوس کینی پرنی  
ہے کہ ایک نہایت جانکاہ اور جگر خراش صدمہ نے اس کی آزادی اور خود سری  
کو بالکل پامال کر دیا جس وجہ سے اب اس کی زبان میں نہ وہ تاثیر رہی  
نہ وہ جوش یعنی اس کا ایک اکلوتا ہونہار لڑکھائیں برس کا ہو کر مر گیا جس  
کے صدمہ نے اس غریب کو سخت صدمہ پہنچایا۔

اکبر آبادی کے حالات زندگی میں جو سب سے بڑھ کر قدر کے قابل بات ہے  
وہ یہ ہے کہ اس کی فطرت رشک اور حسد سے بالکل بے لوث اور پاک تھی رشک  
اور کینہ جو عموماً ایشیائی مستورات میں زیادہ تر پایا جاتا ہے بالخصوص ان مستورات  
میں جن کے خاوندوں کی دو یا دو سے زیادہ بیویاں ہوتی ہیں اکبر آبادی بیگم  
میں نام تک کو نہ تھا۔ ممکن تھا کہ اکبر آبادی بھی ان عورتوں کی طرح جن میں حسد  
اور کینہ کی قوت زیادہ ہوتی ہے اور جو اپنے سے زیادہ دولت مند اور مقصد کو  
دیکھ کر انگاروں پر لوٹنے لگتی ہیں۔ متنازعہ کے وسیع دو تہندی اور حیرت انگیز  
عروج کو حسد و رشک کی نگاہوں سے دیکھتی لیکن اس معزز خاتون کے دل  
میں کبھی اس بات کا خیال نہیں گزرا بلکہ ہمیشہ اس سے باخلاص و محبت پیش آئی۔

اکبر آبادی بیگم۔ متنازعہ کے ساتھ ہمیشہ پیار و اخلاص سے رہا کرتی تھی اور  
جب کبھی کسی کے اشتغال طبع سے شاہجہاں اور متنازعہ میں شکر رنجی ہو جاتا کہ  
تو اکبر آبادی اپنی مافلانہ تدبیر سے دونوں میں صفائی کر دیا کرتی تھی۔ اسی

وجہ سے ان دونوں ممتاز خاتونوں میں ایک ایسا بظ و ضبط بڑھ گیا تھا کہ ایک کو دوسرے کے بغیر چین نہ پڑتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ ممتاز محل کے انتقال کے بعد انکی تمام اولادیں اکبر آبادی کا ویسا ہی اترم و عظمت کرتی تھیں جیسے انہی میں کا ان تمام باتوں کے ساتھ ہیں تسلیم کرنا ضرور پڑتا ہے کہ شاہی محل میں عظمت و وقار و شامانہ فیاضی کا برتاؤ و ممتاز محل کے ساتھ برتا جاتا وہ اکبر آبادی کے ساتھ نہ برتا جاتا تھا اور اس کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اکبر آبادی کے بطن سے اولاد نہیں ہوئی اور ہوئی تو زندہ نہیں رہی لیکن پہر بی شاہجہاں اس سے بے اندازہ محبت کرتا تھا اور اس کی خاطر داری اور دلجوئی میں کوئی بات اٹھانہ رکھتا تھا۔

ممتاز محل کے انتقال کے بعد اکبر آبادی کا اقتدار اور اثر شاہجہاں پر ایسا ہی ہو جیسا کہ کسی زمانہ میں ممتاز محل کا تھا بلکہ اس سے بھی کسی قدر زائد حالانکہ شاہجہاں کی سخت مزاحی اور بلوں طبع سے یہ ایک تعجب کی بات معلوم ہوتی تھی۔ لیکن اصل بات یہ ہے کہ اکبر آبادی کے اخلاق و عادات ایسے شایستہ اور اچھے تھے کہ جس قدر ان کا اثر شاہجہاں پر ہوتا تھوڑا تھا۔

الغرض اکبر آبادی بیگم بڑی خوش قسمت اور اقبال مند خاتون تھی اُس کے حق میں سب سے زیادہ خوش قسمتی کی بات یہ تھی کہ شاہجہاں جیسا غور اور متلون المزاج بادشاہ مرتے دم تک اُس سے خوشی اور رخصی رہا۔ اور اس نے کبھی کوئی ایسا موقع ہی نہیں دیا کہ وہ اسکی بابت کسی قسم کی شکایت کر سکتا اس نے خانہ داری کے انتظام میں وہ پہلو اختیار کیا کہ کبھی کسی کو اپنے اوپر شبہہ ہونے ہی نہیں دیا اور اپنے فرائض منصبی کو ایسی جرات و آزادی کے ساتھ ادا کیا جس کی مثال ایشیائی سوسائٹیوں میں بہت کم مل سکتی ہے یہ سب کچھ تھا لیکن اکبر آبادی



کے عروج و اقبال کا ستارہ اسی وقت تک ترقی پذیر رہا جس تک شاہجہاں کی زندگی کا پیمانہ لبریز نہیں ہوا مگر جب اسی عمر کا پیمانہ لبریز ہو کر چمک گیا یعنی شاہجہاں راہ فنا کا راستے کرنے پر مجبور ہوا تو اکبر آبادی کا سارا عروج و اقبال خاک میں مل گیا اور اس کا تمام زور و قوت پامال ہو گیا۔

اکبر آبادی بگم اگرچہ شاہجہاں کے انتقال کے بعد قریباً بارہ سال تک زندہ رہی اور سلطنت کی طرف سے اس کی رعایت اور دجائی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا لیکن اس میں ختم فاعون نے اس کی کوئی پروا نہ کی اور گوشہٴ مافیت میں بیٹھ کر اپنی باقی زندگی خدا کی یادیں بسر کر دی اور پختی و محجہ شتہٴ عبری کو ہرگز عالم بقا ہوئی۔

اس بگم نے اپنی یادگار قائم رکھنے کی غرض سے خاص و ہلی متصل فیض بازار میں ایک نہایت خوبصورت اور عالیشان مسجد تعمیر کرائی جو اکبری مسجد کے نام سے مشہور ہوئی اس میں ایک مسافر خانہ اور طالب العلوم کے رہنے کے مکانات ہیں گو یہ مسجد اور اس کے مکانات اب غیر آباد اور ویران پڑے ہوئے ہیں لیکن یہ بھی اکبر آبادی بگم کی حشمت و شوکت درو دیوار سے برس رہی ہے۔

اکبری مسجد صرف اس لحاظ سے قابل ذکر ہے کہ اس سے اس کے بانی کی شان و شوکت اور خلوص نیت کا کافی طور پر پتہ چلتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے اسے بڑے ہی شوق سے تعمیر کرایا تھا گو یہ مسجد نہایت عمدہ اور خوبصورت بنی تھی لیکن اب اس کی موجودہ ویران حالت دیکھ کر اس امیرانہ شوق پر نہایت افسوس ہوتا ہے جس نے اس عالیشان عمارت کی بنیاد ڈالی تھی۔ غرض کہ یہ عمارت اکبر آبادی بگم کے حوصلہ مندی کے شوق کا نتیجہ ہے جو شاہجہاں کے سامنے ہی بڑی لاگت سے تیار ہوئی۔

شہرِ نہا کے دہلی دروازہ سے آتے وقت فیض بازار میں بائیں جانب یہ مسجد واقع

ہے دوسرے پانوں تک سنگ سرخ سے بنائی گئی ہے اس کے گرد اگر وہبت سے  
 خوبصورت مکانات اور پختہ سنگین حجرے طالب علموں کی بسااست کے لئے بنے  
 ہوئے ہیں جن کا طول ایک سو چون گز اور عرض ایک سو چار گز کا ہے۔ یہ حجرے نہایت  
 کشادہ اور فراخ ہیں جن میں تین چار سو طالب العلم بفرغت رہ سکتے ہیں۔ ہر حجرے  
 کے آگے ایک ایوان ہے اور ایوان کے آگے ستر ستر چار گز کے عرض سے پختہ  
 چوترہ ہے جو اب کسی قدر شکستہ ہو گیا ہے۔ ضلع غزنی سے ملحق اونچی کرسی دیکر مسجد  
 بنائی گئی ہے جس کی رفعت اور شان و عظمت واقعی عجیب و غریب اور حیرت افزا ہے  
 اس خوبصورت مسجد کے تین بڑے بڑے برج اور سات نہایت نفیس اور موزوں  
 محراب دار دریں مسجد کی عمارت طول میں تریسٹھ گز اور عرض میں ستر گز ہے جو زری  
 سنگ سرخ سے تیار کی گئی ہے اس کا پیش طاق سنگ مرمر کا ہے جس پر نہایت خوشنما  
 اور پر رونق کچی کاری کا کام ہے اور نہایت عمدہ پیل بوتے بنے ہوئے ہیں اس کے  
 آگے ایک سنگین چوترہ واقع ہے طولا تریسٹھ گز اور عرض ساتاون گز ہے چوترہ  
 کا ارتفاع پورے ساڑھے تین گز کا ہے جس پر سنگ سرخ کا بہت خوشنما کٹھنہ  
 لگا ہوا ہے۔ صحن کے عین وسط میں ایک نہایت عمدہ حوض بارہ گز کا مربع بڑی  
 خوشنمائی کے ساتھ تیار کیا گیا ہے جو فیض بازار کی شاہی نہر سے سرقت لبریز رہتا تھا  
 لیکن جب سے یہ نہر خراب ہو گئی اس حوض میں پانی آنا موقوف ہو گیا۔  
 اس مسجد کے دروازہ پر ایک کتبہ بخط نسخ بڑی آب و تاب کے ساتھ لکھا ہوا ہے جس کے  
 دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد رمضان المبارک کی اخیر تاریخوں میں ختم ہجری میں  
 بہت سے معماروں اور مزدوروں کی دو سال کی محنت کشی سے بنکر طیار ہوئی۔ چونکہ  
 اس کتبہ کی عبارت خالی از پرچسپی نہیں ہے لہذا ہم اس مقام میں کتبہ کی عین عبارت  
 نقل کرتے ہیں۔

کتبہ این مسجد فیض انسا و سرا کے راحت باد و حمام لطافت آباد چوک دکتا کہ عبادت گاہ  
 حق پرستان روزگار روح افزائے متمدن و ان اقطار و تربیت گاہ آسمانیان دارالفتح  
 زمینیان ست در عہد سعادت ہمد بادشاہ اسلام کہت نام سایہ والا پایہ پروردگار خلیفہ  
 برگزیدہ کروگار رحمت اعم ذی الجلال مظہر انیز و دار بہمال ابو المنظر شہاب الدین محمد  
 صاحب قراں ثانی شاہ بہمال بادشاہ غازی پرستار خاص بادشاہی پرستندہ با اخلاص  
 ظل الہی موفقت خیرات و میرات محررہ سعادات و حسنات اغرائسار مشہورہ پاکیزہ آبادی  
 بفرمان معلی بنا کرد و بہجت رضا الہی و اقتنائی ثواب اخروی و حاصل سری و محبوبی  
 با حقوق مرافق و اقلہ و خارجہ وقف لازم شرعی نمود و مقرر ساخت کہ اگر برست این  
 اکٹہ اعتیاج اقتراچہ از حاصل این موقوف بعد الترمیم باقی ماند بخدمت مسجد و حمام  
 طالب علم رساند و الا تمام را بجا مہ سطور بدہند این منازل منیعہ در عرصہ دو سال بحرف  
 صد و پنجاہ ہزار روپیہ آخر شہر رمضان المبارک سنہ اسطابق بسبت و چہارم سال جلوس  
 عالم آرا صورت انجام پذیرفت اینر و تملکے اجرا میں خیر بر جا و نفع باقی بروزہ فرزندہ  
 آثار بادشاہ دین پرور حق گزین حقیقت گستر و بانی این مبانی عامرہ ماند گرداند  
 آمین یا رب العالمین۔

## اورنگ آبادی محل

یہ عصمت پناہ اور پاکہ ان قانون اورنگ زیب مالگیر بادشاہ کی جو تھی بیگم سے جو  
 ظاہری حسن و خوبی کے علاوہ باطنی حسن و جمال سے بھی آراستہ تھی اس کی بلند خدائی  
 اور حوصلہ مندی اور پیدا مغزی پر مالگیر جان دیتا تھا اور تمام بیگمات سے زیادہ  
 محبت رکھتا تھا۔ مالگیر کو جب کبھی کسی معرکہ میں جلتے کا اتفاق پڑتا اس متاثر ہوتا  
 بیگم کو اپنے ساتھ لیتا اس نامور قانون کی زندگی میں شاید ہی کوئی ایسا موقع گذر

ہو گا جس میں عالمگیر نے اسکی مفارقت گوارا کی ہوگی۔

عالمگیر کی تاریخی زندگی پر نظر ڈالنے سے تحقیق کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ وہ اور مشرقی بادشاہوں کی طرح عورتوں کی زیادہ محبت پسند نہ کرتا تھا نہ اسکی زیادہ پییاں تھیں کبھی اس نے اپنی رخت ویش کے لئے زیادہ روپیہ صرف نہیں کیا بلکہ جس قدر قنوعات سے اسے روپیہ حاصل ہوتا تھا وہ یا تو فوج کی آراستگی میں صرف ہوتا تھا یا مساجد وغیرہ کی تعمیر میں۔ اس میں ایک بہت بڑی قابل تعریف بات جس نے اس کی تاریخی صفوں کو روشن اور چمکیلا بنا دیا ہے یہ تھی کہ جیسے اس کے ہاں ملا کا مجمع لگاتار تھا ایشیائی بادشاہوں میں کسی فرمانروائے سلطنت کو بہت کم نصیب ہوا ہے ملا کی نظم حکمریم اعلیٰ درجہ پر کیا کرتا تھا ضابطہ اور محل اس درجہ کا تھا کہ لوگوں کی بار بار کی گستاخی اور بے ادبی پر تحمل کر جاتا تھا۔

عالمگیر کے حالات زندگی کے دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ امیرانہ میث اور عورتوں کی زیادہ محبت سے بالطبع متنفر تھا لیکن جب اورنگ آبادی یگم کی سوانح عمری پر خیال دوڑایا جاتا ہے تو تعجب آتا ہے کہ اس کے پاس وہ کیا دلکشی سامان تھے جنہوں نے ایسے متین اور دنیا سے متنفر بادشاہ کو اسکی طرف مائل کر دیا تھا۔ عالمگیر ایک دن میں جینک کی گئی مرتبہ اسے نہ دیکھ لیتا اسے چین ہی نہیں پڑتا تھا اور اس کی تہوڑی دیر کی جدائی ہی اسے نہایت خفا اور ناگوار گذرتی تھی۔

اورنگ آبادی کے بلن سے صرف ایک لڑکی مہر النساء یگم پیدا ہوئی جو بڑی ہو کر عالمگیر کی چاروں لڑکیوں سے زیادہ تیز ہوش اور عالی و مانع ہوئی یہ نامور ہنرزدی تین صفر ۱۱۰۱ ہجری میں پیدا ہوئی اور جوان ہو کر انر و بخش فرزند مراد بخش سے بیاہی گئی۔ اس کے بلن سے تین بچے بھی پیدا ہوئے مگر افسوس تینوں شیر خوار کھالت میں مر گئے۔

نواب ہر النساء بیگم بڑی تیز ہوش اور مافلا قاتون تھی اور چونکہ صاحبِ طریقت تھی اس لئے زیب النساء بیگم سے ہمیشہ اس کی نوک جھوک رہا کرتی تھی اور اکثر اوقات کسی نہ کسی مسئلہ میں خوب زور شور سے بحث ہوا کرتی تھی اور جب ان دونوں کی بحث میں زیادہ طول کھینچ جاتا تھا تو خود مالگیری ان میں نہایت آزادانہ اور مصفاۂ فیصلہ دیا کرتا تھا۔ اسے لکچر دینے کا بھی بڑا شوق تھا۔ مستورات کے بڑے بڑے نجموں میں ایسے پر زور اور موثر لکچر دیتی کہ سننے والے دنگ ہو جاتے اور اس کی مالگیری فصاحت پر تمام لوگ غش غش کر جاتے۔ اس کی قادر الکلامی اور زورِ طبیعت کی ہجوم نہ صرف شاہی محلوں میں پہلی ہوتی تھی بلکہ بیرون محل میں بھی ہو گئی تھی۔

مہر النساء کے اخلاقی خیالات اور نصیحتانہ لکچروں نے محل میں اتنا اثر ڈالا کہ اکثر مستورات کے خیالات میں ایک قسم کی فوری تبدیلی واقع ہو گئی اور جن سلمان مستورات میں بہت سی ہندوانی رسمیں رواج پکڑ گئی تھیں یا ان کی طرز معاشرت میں لیت کے برخلاف باتیں پائی جاتی تھیں یک نخت اٹھ گئیں۔ جب مجلس کی مستورات میں کوئی باہمی تنازعہ ہوتا تو مہر النساء ہی اس میں فیصلہ دینے کے لئے منتخب کی جاتی۔ الفرض یہ ہر مغز اور ہوشیار قاتون جو ایس برس کی عمر کو پہنچتے تھے ان سب کی میں انتقال کر گئی۔ درحقیقت اگر اورنگ آبادی بیگم کی زندگی میں اس روشن دماغ اور عالی ہمت بیگم کا انتقال ہوتا تو اس کا جاگداز صد مہ اسے جیتے جی دنیا سے محض بے علاقہ کر دیتا۔ اورنگ آبادی کی بہت بڑی یادگار ایک نہایت خوشنما اور مالیشان مسجد ہے جو دہلی کے ایک مشہور مقام پنجابی کے کٹرہ میں واقع ہے۔ یہ کٹرہ محل میں سوداگروں کا مسکن تھا جس میں مختلف شہروں کے سوداگر اور تجارت پیشہ اگر تہر کرتے تھے اس کی آبادی اور بساتیں زیادہ حیران ہی ہو گئیں کی گنتی کی جاتی تھی اسی وجہ سے یہ مقام پنجابی کے کٹرہ کے

نام سے مشہور ہو گیا۔

اس کثرہ میں ایک نہایت دلگیر اور خوبصورت مسجد ہے جس کے در و دیوار سے اورنگ آبادی کی شان و شوکت اور عظمت و جلال آشکارا ہے یہ مسجد سرتاپا سنگ سرخ سے بنی ہوئی ہے نازک خیال معماروں نے اس میں اپنی حیرت انگیز صنعت کے دو جوہر کھائے ہیں جن کے دیکھنے سے شان خدا یاد آتی ہے۔ ابتدا میں اس کا محن نہایت وسیع اور فراخ تھا اور عام منظروں میں ایک نہایت ہی بارونتی اور دلچسپ منظر تھا گو اب اس میں وہ خوبی اور خوشنمائی باقی نہیں رہی کیونکہ لوگوں نے اسکی بہت سی زمین اپنے سکانون میں شامل کر لی ہے مگر ہر ہی ایک نہایت محوزوں اور خوش نصیب قطع ہے جو ناظرین کو خود بخود اپنی طرف مائل کرتا ہے۔

یہ اورنگ آبادی ہی کی نیک نیتی اور خوش قسمتی کا نتیجہ ہے کہ اس مسجد میں معمول سے زیادہ مسلمان لوگ اپنا منہی فرض بڑی جرات اور آزادی کے ساتھ ادا کرتے ہیں اور قات نمازیں نہایت کثیر التعداد جماعتیں حاضر ہوتی ہیں۔ اسی مسجد میں ایک عرصہ دراز تک مولوی عبدالخالق اور مولوی نذیر حسین صاحب نے ہزار باطلاب العلوم کو حدیث کا درس دیا ہے۔ رات دن میں کوئی ایسا موقع مشکل سے ملتا تھا کہ یہاں حدیث کی درس و تدریس کا چرچا نہ ہوتا ہو۔ یہ سب باتیں اس قسم کی تھیں جن سے اورنگ آبادی کی روح ہمیشہ تروتازہ اور سرور رنجی تھی اور جب تک اس کی یہ یادگار قائم ہے ہمیشہ تک یہاں ہی مسرور و شادان رہے گی۔ شہروں اور عمارتوں کے حالات میں اس مسجد کا بہت ذکر ہے نیز تاریخی کتابوں میں جہاں کہیں عالمگیر اور اورنگ آبادی کا ذکر مندرج ہے وہاں اس با شان و شوکت اور عظیم الشان مسجد کا حال بھی ضرور ہوتا ہے۔ پیدا محمد خاں بہادر نے آثار الصنادید میں اس کی بابت بہت کچھ لکھا ہے اور اسکی غارت کا ایک نہایت سچا اور پورا نقشہ بھی دیا ہے۔

# آئی بیگم

یہ شریف اور امیرزادی بیگم نجابت خاں ابن سر بلند خاں کی عزیز اور پیاری بہن ہے۔ نجابت خاں عالمگیر کی فوج کا ایک نہایت معزز اور ممتاز جنرل تھا جس نے بہت سی خونخوار جنگوں اور خطرناک معرکوں میں اپنی شجاعت و بہادری کے نمونے اور بیگم کی وجہ دیکھا کہ عالمگیر کو اپنا فریقہ بنا لیا تھا۔ شاہ عالمگیر نجابت خاں کو اس کی ذاتی شرافت اور تعجب ناک شجاعت کی وجہ سے بہت چاہتا اور اس کی پاک دامن بہن کو اپنی پیاری شہزادیوں سے کسی طرح کم نہ سمجھتا تھا۔ خاص شاہی محل میں اگر کسی معمولی تقریب پر بیگم کوئی خوشی منائی جاتی تھی تو آئی بیگم کو اس میں بڑی خوشی سے شریک کیا جاتا تھا۔ مجلس کی تمام مستورات اس سے محبت پیش آتیں اور عالمگیر کی لڑکیاں انہما سے زیادہ اس کی عظمت و توقیر کرتیں۔

مجھے اس مقام پر بافسوس کہنا پڑتا ہے کہ اس بیگم کے مفصل حالات نہیں ملے اور جو تاریخیں میرے سامنے رکھی ہیں ان کے صفحات اس کے حالات زندگی سے کورے ہیں البتہ اس قدر پتہ ضرور ملتا ہے کہ بیگم کا انتقال مشنہ میں ہوا۔ عالمگیر کو اس کے انتقال کی خبر سن کر ویسا ہی افسوس اور افسوس کے ساتھ صدمہ ہوا جیسا کہ اپنے کسی عزیز کا ہوتا ہے۔ نامہ ارفان کو شاہی دربار سے حکم دیا گیا کہ نجابت خاں کو بلایا جائے یہ اس وقت ایک مہم کے سر کرنے کے لئے دکن گیا ہوا تھا۔ بہن کے انتقال پر طلل اور بادشاہ کی طلبی کی اطلاع پا کر بہت تھوڑے عرصہ میں آ حاضر ہوا۔ عالمگیر نے نہایت خوش آئندہ الفاظ میں اس کی تسلی کی اور بیش قیمت خلعت و کمراتی لباس اتروایا۔

یہ افسوس کی بات ہے کہ نجابت خاں اپنی عزیز بہن کے انتقال کے وقت اس

کے پاس موجود نہ تھا اور اس ناموجودگی اور آخری وقت میں اس سے نہ ملنے کا افسوس اسے ہمیشہ رہا۔

## بخت النساءِ بیکم

یہ شریف اور پاکدامن خاتون ہمایوں بادشاہ کی عزیز و چاہیتی لڑکی اور اکبر بادشاہ کی بہن ہے جو علاوہ جن و جمال کے عقل و دانائی کے لئے نہ صرف ہندوستان قریباً تمام ایشیائی دنیا بالخصوص مشرقی حصوں میں زیادہ ممتاز و مشہور ہے۔ یہ بیکم حوصلہ مندی۔ بلند نظری۔ جوش۔ محبت۔ غرض کہ تمام شریفانہ اوصاف اور مہذبانہ اطوار میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی اس کی طرز معاشرت اور تمدنی حالت اور خانہ داری کی انتظامیہ کیفیت بیان سے ماہر ہے اس کی یہاں پرستی اور خوش اخلاقی کی نظیر ایشیائی عیادت میں کہیں نہیں پائی جاتی۔

بخت النساءِ بیکم کے اخلاق نہایت وسیع اور فیاضانہ تھے۔ غرور و نخوت۔ ترفع اور کم بینی نام کو نہ تھی۔ اس کے متواضعانہ اخلاق اور فیاض طبیعت کی شہرت تمام جہان میں پھیل گئی تھی اور اسکی سیر چشمی اور مہماں نوازی کی دہوم ایک عالم میں پھی ہوئی تھی اور یہی زیادہ قوی اسباب تھے جنہوں نے ہمایوں بادشاہ کو اس کا والد و شہید اپنا دیا تھا۔ ہمایوں کو جس قدر الفت و محبت اپنی اس فیاض اور خلیق بیٹی سے تھی دوسرے سے نہ تھی اور یہی وجہ نہ تھی کہ وہ ہر وقت اس کی دلجوئی میں رہتا تھا اور کبھی کوئی ایسی بات نہ کرتا تھا جو اس کی نازک اور سنجیدہ طبیعت کے برخلاف ہو یا اسکے اشتغال طبع کا باعث ہو۔

اس جلیلہ خاتون کی معاشرت اور طرز زندگی میں جو چیز سب سے زیادہ پسند اور قابلِ تعریف ہے وہ یہ ہے کہ باوجود نفاست پسندی اور مالی و دماغی کے



فضول شان و شوکت اور بے نتیجہ تزک احتشام کا نام نہ تھا جب کبھی قریح طبع کے لئے بازار میں نکلتی تو نہایت سادہ لباس سے آراستہ ہو کر معمولی حیثیت سے نکلتی پیر یہ سادگی کچھ لباس ہی میں منحصر نہ تھی بلکہ خاص اس کے محل اور معاشرت کی تمام چیزوں میں پائی جاتی تھی گویا اس کی فطرت بالکل سادہ طور پر واقع ہوئی تھی اور وہ سادگی ہی کو پسند کرتی تھی۔

حقیقت میں بخت النساء کی یہ سادگی اور فروتنی زیادہ قابل قدر اور لائق تقلید ہے کہ باوجودیکہ اسے برسوں تک ایک عظیم الشان اور باوقار سلطنت کے سایہ میں پرورش پائی اور پھر بھی اپنا سادگی پن اور فطری خلق نہ چھوڑا۔ بخت النساء یکم بازاروں اور عام سیر گاہوں اور جنگ و باغات کے دلچسپ اور نشاط انگیز منظروں میں آزادی پورا کرتی تھی نیز دعوت کے جلسوں اور علمی مجلسوں میں ہمیشہ شریک ہوا کرتی تھی لیکن باوجود اس آزادی کے حفظ و احتیاط کے دائرہ سے کبھی سرمو متجاوز نہیں ہوئی جس متانت و شرم اور احترام سے یہ پاکدامن خاتون مردوں کے مجلسوں میں شریک ہوتی دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا تھا کہ یہ حورت نہیں ہے بلکہ عصمت و عفت کی دیوی ہے۔

بخت النساء یکم کے چہرہ سے جس جرات اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آسکتا جس انداز سے وہ گھوڑے پر سوار ہوتی تھی جیسا صورت سے متانت و وقار نکلتا تھا جیسا شاہانہ جاہ و جلال اس کے ہیبت سے برستا تھا اس کا کسی طرح کافی طور پر اندازہ نہیں ہو سکتا۔ اس کی تجربہ کاری اور پختگی رائے کے ڈنکے پار و نامک عالم میں بچکے تھے ہایوں اور اکبر اکثر اوقات بڑی بڑی مہوں اور شکلوں میں اس سے مشورہ لیا کرتے

اور جو کچھ یہ رائے دیتی اُسی کے مطابق عمل میں لاتے مجھے یہاں ایک تمثیلی واقعہ کے لکھنے کی ضرورت ہے جس سے بخت النساء بیگم کی تجربہ کاری اور اصابتہ رائے کا بڑی خوبی سے اندازہ کیا جاتا ہے اور ساتھ ہی اس بات کا بھی بخوبی قیاس کیا جاسکتا ہے کہ یہ بیگم تمدنی حالت اور معاشرتی طرز میں کس درجہ قابل اور نیک نام تھی اور ہایوں اور اکبر کس وجہ سے اس کی قدر و منزلت کیا کرتے تھے۔ مستندہ ہجری میں جب اکبری جہنڈے دکن کی تسخیر کے لئے آئے تھے تو اکبر شاہ نے شہزادہ محمد سلیم یا جہانگیر کو شاہنشاہی کا خطاب عنایت کر کے ولیمبہدی تفویض کی اور راناسے چوڑ کے قلعہ قمع اور استیصال کی مہم شاہزادہ کے نامزدگی۔ جہانگیر ایک نہایت خونخوار خوبریز فوج اور دلیر و شجاع افسروں کو ساتھ لیکر عازم مہم ہوا جب اجمیر کے قریب پہنچا تو وہاں کے سرسبز و شاداب و خوشنما منظر اور پیر لطف و دلچسپ مقامات نے اسے بے اختیار اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ جہانگیر نے ان عجیب و خوشنما منظر و کوہ انسانی زندگی کی دلچسپی کے لئے از بس ضروری تھے اور طبیعت کی شگفتگی پر ان کا بہت اچھا بیچڑا تھا تفریح طبع کے لئے بہت پسند کیا اور ان پر فضا مقامات سے جہاں ہر وقت اور ہر لمحہ تازہ اور لطیف ہوا کے جہو کے صحت بدنی کو بہت کچھ فائدہ پہنچاتے تھے اُس کا دل بہت بہلا لہذا وہ خود تو ان دل فریب مقامات کی سیر و شکار میں مصروف ہوا اور جہاں وصف شکن فوج کو بد قسمت راناکا تقدیر کا آخری فیصلہ کر دینے کے لئے چوڑ روانہ کیا۔

اسی اثناء میں اکبر شاہ نے ایک بڑی خونخوار فوج سے دکن پر چڑھائی کی جہانگیر کے بعض فتنہ جو اور فساد انگیز مصاحبوں نے اسے صلاح دی کہ

بادشاہ کا ہم دکن میں مشغول ہونا اور اس قدر دور از مسافت کا طے کرنا حضور کے لئے گویا ایک نہایت مبارک اور نیک فال ہے یہ وقت آپ کے لئے نعمتات سے ہے۔ راجہ مان سنگھ کو بنگالہ کی طرف روانہ کیجئے اور خود اگر وہ پہنچ کر وہاں کے سرگنوں اور جاگیرداروں کو اپنے تصرف میں لاکر ایک عظیم الشان خزانہ فراہم کیجئے۔

جہانگیر نے ایام شباب کے تقاضے اور احباب کی خام مصلحت کی وجہ سے راجہ مان سنگھ کو بنگالہ رخصت کیا اور چتور کی مہم بالکل غیر مکمل اور ناتمام چھوڑ کر اگر وہ کی طرف روانہ ہوا راستہ میں جو صوبے اور سرگن پڑتے گئے یہ سب کو اپنے قبضے و تصرف میں لاتا گیا اور ایک نہایت شتابانہ حرکت کے ساتھ اگر وہ کے قلعہ پر آدھمکا۔ قلعہ خاں جو اندھنوں قلعہ داری کے عہدہ سے ممتاز تھا اور ایک نہایت پر مغز اور مدبر قومی افسر کہلایا جاتا تھا قلعہ سے نکلا اور چند بیش قیمت تحفے و زنی نذرانے پیش کر کے اپنی عقیدت و فدویت کا اظہار کیا۔ جہانگیر ان کے وفادارانہ جوش اور اور جاں نثاری کو شمش سے سیر خوش ہوا اور اپنی طرف سے قلعہ داری کا منصب عطا کر کے رخصت کیا اور ساتھ ہی حکم دیدیا کہ ہر طرف سے قلعہ کے بند و بست و انتظام میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھا جائے۔

اکبر کی والدہ جو جہانگیر پر جان چڑھتی تھی اور اکبر سے زیادہ اس سے محبت و الفت رکھتی تھی جہانگیر کی اس موصوفانہ کارروائی اور اسکی مفرد ذلیل ندیموں کی بغاوت انگیز اغوا کی خبر سن کر شہزادہ کو پند نصیحت کرنے اور اس کے اس نفرتناک انقلاب کو اپنے حال پر خود کمرانے کی غرض سے قلعہ سے برآمد ہوئی۔ جہانگیر جب اس پر مطلع ہوا تو بلحاظ ادب و محال

اپنے خاص خاص ندیموں کو سات لیکر کشتی پر سوار ہوا۔ لشکر کو توشنکی کے راستے سے روانہ کیا اور خود تری کی راہ سے الہ آباد کی طرف توجہ ہوا اکبر کی ماں نہایت افسوس کے ساتھ قلعہ میں واپس آئی اور اسے جہانگیر کی اس بے عنوانی پر رنج اور رنج کے ساتھ سخت افسوس ہوا۔

جہانگیر کی اس خود سری اور اس کے ناحق شناس ندیموں کی ترموی و بغاوت کا چرچا چند روز میں عام ہو گیا اور شدہ شدہ یہاں تک نوبت پہنچی کہ یہ آواز اکبر کے کان میں بھی پڑ گئی۔ ہر چند کہ ایک زبردست اور پر رعب حکومت اس قسم کی بے عنوانیوں کا ہرگز تحمل نہیں کر سکتی تھی لیکن اکبر دور اندیش عقل کی نہالی سے اپنی حوصلہ مندی اور بلند نظری کو استعمال میں لایا اور نہایت آسانی کے ساتھ اس رنج اور رنج کے ساتھ فصہ کو پی گیا۔ ممکن تھا کہ وہ اس وحشت اثر خبر سے آپے سے باہر ہو جاتا اور جہانگیر کو نہیں تو اس کے دغا باز اور فریبیوں کی منسوب انگیزی کی سزا ضرور دیتا مگر اس نے اس موقع پر نہایت ضبط اور استقلال سے کام لیا فوراً ایک عنایت آمیز فرمان اپنے ہاتھ سے لکھا اور خواجہ محمد عبد احمد شیریں قلم کے فرزند محمد شریعت کے ہاتھ روانہ کیا۔

محمد شریعت۔ شہزادہ جہانگیر کا ہم کلاس اور ہم سبق تھا اور ایک عرصہ تک اس کے ساتھ کھیلے ہوئے تھا جہانگیر کے پاس پہنچا تو جہانگیر نے اس کا استقبال کیا اور بڑی گرمجوشی سے ملکر نہایت اغراز و احترام کے ساتھ اپنے پاس بیٹھایا۔ محمد شریعت نے واپ شاہی سے پابند ہو کر معمولی مزاج پرسی کے بعد اکبر کا خط دیا۔ جہانگیر نے اول سے آخر تک بڑے غور کے ساتھ خط کا مضمون پڑھا اور اس بارہ میں اپنے ندیموں اور مصاحبوں سے مشورہ لیا۔ سب کی یہ رائے قرار پائی کہ شہزادہ کا باپ کی قدیموسی میں ماضی ہونا بہر صورت غالی از تردد نہیں لہذا

جہانگیر نے اپنا مشاذا اور ارادہ محمد شریف پر صاف طور سے ظاہر کر دیا اور خود اسے بھی اکبر کے پاس واپس جانے سے باز رکھ کر اپنا وکیل اسطنت مقرر کر دیا۔ یہ خبر سنیتے ہی اکبر کی طبیعت وکن کی مہم سر کرنے سے بالکل اچاٹ ہو گئی بیشک اگر اکبر چند روز وکن میں اور قیام کرتا تو اکثر نظام الملکی اور عادل شاہی قلعوں اور شہروں کو ضرور فتح کر لیتا لیکن اس جھٹناک تجربے اس کا دل اس قدر اچاٹ کر دیا کہ اب وہاں ایک دن بھی ٹہیرنا دوہر ٹر گیا۔ آخر کار اُس نے خاناناں اور شیخ ابوالفضل کو برہان پور میں چھوڑ کر دار الخلافہ آگرہ کا قصد کیا اور نہایت محنت اور سرگرمی کے ساتھ کوچ کوچ یہاں آ پہنچا۔ جوں ہی جہانگیر کو اس کی اطلاع ہوئی وہاں ہی فوج کے فراہم کرنے اور لشکر کو مرتب کرنے میں زیادہ معروف ہوا اور چالیس ہزار مسلح سوار اور آلات حرب کے ساتھ آگرہ کی طرف روانہ ہوا۔ رستہ میں اکبر کے بہت سے صوبوں اور جاگیرداروں کو لوٹ کھسوٹ لیا اور جو مقابل ہوا اُس کا سرخو خوار تلوار سے کاٹ ڈالا گیا۔ صوبہ بہاؤ میں اکبر کے جس قدر جاگیردار تھے سب کی طرف سے اکبری دربار میں استغاثے دائر تھے اور دن بدن ہوتے جاتے تھے اور جہانگیر کی خود سری کی روزانہ خبریں ایک ایک کر کے بادشاہ کے گوش گذار کی جاتی تھیں لیکن اکبر کی فطرت میں سنجیدگی اور متانت کوٹ کوٹ کر بہرہ دی گئی تھی ان ناگوار باتوں کے جواب میں بجز نلطف آمیز کلمات اور شفقت افزا جملوں کے اور کچھ زبان پر نہ لاتا تھا۔

لیکن جب مظلوموں کی فریادیں اور جفاکشوں کے استغاثے حد سے بجا نہ ہو گئے اور سلطنت کے انتظام حکومت کے بندوبست میں ایک بہت بڑی خلل اندازی واقع ہوئی اور انقلاب عظیم برپا ہوا نیز اکبر کی وہ شادمانی و خوشوقتی جو جہانگیر کی ملاقات سے وابستہ تھی وحشت و رنج کے ساتھ بدلنے لگی تو اس نے ایک

فرمان بایں مضمون جہانگیر کے پاس روانہ کیا۔

قرۃ العین نور الالبصار بعافیت باشند

ہر چند کہ مجھے تمہارے دیدار کا اشتیاق اس قدر ہے کہ میں اسے کسی طرح تحریر میں نہیں لاسکتا تمہارا صرف اپنے مشتاق باپ کی زیارت کے لئے اس حثمت و شوکت کے سلسلہ آمانجت اثر خاطر پر شاق اور ناگوار گذرتا ہے اور اس عاہ و تحمل کے ظاہر کرنے اور لشکر و سپاہ کے پیش کرنے سے تمہارا یہ مطلب ہے کہ میں تمہاری اس خدا داد ترقی کو وقعت کی نگاہ سے دیکھوں اور تمہارے اعزاز و احترام کو بڑھائوں تو یہ مطلب اس کے بغیر بھی برآ سکتا ہے تمہیں مناسب ہے کہ اس زیادہ بہتر بہانہ کو الہ آباد رخصت کر دو اور تنہا حاضر ہو کر اپنے باپ کی بچراں نصیب آنکھ کو منور اور کبیدہ و رنجیدہ دل کو خوش کند کر دو۔ اور اگر بے جواب کی یادہ گوئی سے تمہارے ذہن میں کسی طرح کا دوسوسہ اور توہم پیدا ہو گیا ہے تو فوراً الہ آباد روانہ ہو جاؤ اور کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاؤ جب اس توہم اور دوسوسہ کے نقوش تمہارے دل سے مٹ جائیں گے بلا تردد اپنے باپ سے ملاقات کر سکو گے باقی دعا المراقبہ جلال الدین محمد اکبر

جہانگیر بھی انا وہی میں تھا کہ یہ خط پہنچا۔ خط پڑھ کر نہایت ہی متذنب اور مہر دہوا اور اسی وقت ایک مخلصہ ذیل عرضداشت لکھ کر روانہ کی۔

خداوند مرشد و قبلہ من سلامت

میرا بچہ قدیم موسیٰ اور آرزو سے ملازمت کے اور کوئی اندیشہ و ارادہ جو بد گویوں اور عیب جوئیوں کے دل و زبان پر ہے نہ تھا لیکن جبکہ حضور کا ارشاد یوں ہے تو اب قدوی کو بجز اس کے کوئی چارہ نہیں کہ خداوند کے حکم کے آگے گردن تسلیم خم کر دے اور چند روز حضور سے جدا رہ کر ملازمت قدیم موسیٰ حاصل کر دے خداوند تعالیٰ

جہانگیر اس خط کی روانگی کے ساتھ خود بھی روانہ نہ آیا دہلی اور چند روز توقف کر کے مستقل بادشاہ بن گیا۔ اسی اشار میں جہانگیر کو معلوم ہوا کہ شیخ ابوالفضل بادشاہ کے حکم سے دکن سے واپس آتا ہے چونکہ جہانگیر کی نظیر میں علامہ ابوالفضل کے بعض اطوار نہایت نفرت انگیز اور قابل اعتراض تھے اور ایسا سٹے وہ تہنائی میں کبھی کبھی کہا ہی کرتا تھا کہ ”مستشوق بد قسمت ابوالفضل کی صحبت نے میرے دو گویا بہائیوں اور تیسرے باپ کو کہیں کا ترکہ اور اس کے اتحاد و دہر پرستی نے سچ پوچھ تو میرے معترفانِ مذہب کے نام کو بٹالگا دیا“ نیز اس وقت اُسے اس بات کا بھی یقین تھا کہ ابوالفضل میرے باپ کے پاس نہ چکر ضرور ہی نہرا لگے گا اور جہانگیر بن پڑیگا میری بدخواہی میں کوئی بات اٹھانے کے گاہ بہتہ ہو گا اگر میں اسکے دہان پہنچنے سے پیشتر ہی اسکا کام تمام کر دوں۔

جہانگیر نے یہ منصوبہ دل میں گانٹھ کر راجہ نرسنگھ کو جس کا وطن گوالیار کے متصل ہی تھا رخصت وطن کی شہرت سے اُدھر روانہ کیا اور خفیہ اشارہ کر دیا کہ ابوالفضل کے گوالیار پہنچنے سے پہلے تو اپنے نہیں دہان پہنچا دیجو اور راستہ ہی میں اُس کا محاصرہ کر کے یکایک اور اچانک ٹوٹ پڑو اور جہانگیر کا پوچھے اس محلہ اور دہر پرست کی زندگی کی شاخ کاٹ ڈالنے میں فدا بھی دیں گے کیجیو۔ راجہ نرسنگھ نے جہانگیر کے حکم و ارشاد کے مطابق عمل کیا۔ ایک بڑی عاجلانہ جنبش کی اوڑھ لیا اور پچھلے شیخ ابوالفضل کے پہنچنے سے پہلے ایک محفوظ گوشہ میں چپ بیٹھا جوں ہی ابوالفضل اور اس کا لشکر نمودار ہوا اس نے عقب سے ایک تیرہ ہر دو اور سغا کا نہ حملہ کیا اور پھر علامہ کا فوراً کام تمام کر دیا۔

جہانگیر نے اپنی سوانح عمری یعنی جہانگیر نامہ میں شیخ ابوالفضل کی نسبت خود لکھا ہی کہ ”چونکہ محمدوں کا مقتدا ابوالفضل میرے والد کی بدنامی کا بہت بڑا باعث

ہو گیا تھا اس لئے میں نے اس تیبہ کار کا اس تدبیر سے کام تمام کر ڈالا۔ الغرض اکبر کو اس وحشت ناک خبر سے بہت حد تک ہوا ہر چند کہ اس کے دل میں جہانگیر کی طرف سے بہت بڑے بڑے خیالات پیدا ہو گئے تھے لیکن ظاہر میں اس نے یہ بھی بڑے تحمل اور وقار سے کام لیا اور اپنی اصابتہ رائے سے سیدہ سلطان بیگم جو جہانگیر کی ماں تھی اور دانائی و کارروائی اور سخن نبی میں سحر آفریں تھی جہانگیر کی نفسی و ہدایت کے لئے یہیجا۔ بیگم جب الہ آباد کے قریب پہنچی تو جہانگیر ایک حشمت انگیز و بدبہ اور زرخیز کوکب کے ساتھ شہر سے باہر آیا اور فرزند کی ادائیں فدویت کے قوانین ظاہر کر کے اپنی ماں کو شہر میں لے گیا اور بڑی شان و شوکت سے لے گیا یہاں بیگم کو جب قدرے اطمینان ہوا تو اس نے بادشاہ کا التیام آمیز پیغام دیا اور ایک ایسا محبت انگیز افسوں پڑا کہ جہانگیر والد کی قدمبوسی میں حاضر ہونے کے لئے راضی ہو گیا کیونکہ والدہ کی ٹھگاریوں نے اس کے تمام تہذبات و ترویات دل سے مٹا دیے تھے۔ سیدہ سلطان بیگم اپنے فرزند کو ساتھ لیکر اکبر آباد آئی اور اکبر کی والدہ کی امداد اور دستگیری سے شہزادہ کو باپ کے قدموں میں ڈال دیا۔ اکبر نے کمال لطف و مہربانی سے جہانگیر کا سراپا بٹھایا اور بغلیں گری بہت دیر تک پر نرم آنکھوں سے آنسو بہاتا رہا فرزندانہ برتاؤ کے بعد اکبر نے بڑی قیاضی سے ہزار اشرفیاں بچھا کر کیں اور سات کوہ پیکر مامی اور مختلف قسم کے بیش قیمت جواہرات اور مرصع آلات عطل کئے اور اپنا عمامہ سر سے اتار کر جہانگیر کے سر پر رکھ دیا۔ نیز از سر نو مستقل و سجدی کی خوشخبر اور مبارکبادی سے متاثر کیا۔ چند روز تک سلسلے شہر میں بڑی دھوم و دھام سے پر لطف جشن با اور چاروں طرف میش و حشرت کے بازار لگے رہے۔

اس کے بعد ہم رانا بد ستور سابق جہانگیر کے نامزد ہوئی اور دسہرے کے روز



اکبر نے اسے رخصت کیا ایک بڑا جرار اور خوشوارشکر جہانگیر کے بھوکا ب تھا اور مشہور نامی امرالیر وہبادر افسروں کا جوہم اس کے پہلو پہ پہلو تھا۔ جہانگیر بڑی شان و شوکت اور عجیب آن بان سے روانہ چوتڑا ہوا چونکہ عقب سے ایک اور بڑا لشکر اور خزانے کا انتظام تھا۔ اس لئے جہانگیر کو فتح پور میں ٹھہرنا ضرور تھا یہاں متصدیوں کے تغافل سے خزانے کے روانہ کرنے میں تاخیر ہو گئی اور باوجود چند روز گزر جانے کے بھی خزانہ فراہم نہ ہو سکا۔ پہلا یہ کہ توکر ممکن تھا کہ شہزادہ جہانگیر کی جیلہ جو طبیعت اس تاخیر کو گوارا کر سکتی توڑا بیٹھا اور نہایت برہم وافر وختہ ہو کر بادشاہ کو ذیل کے مضمون کی ایک عرضی دے گئی۔

فلک جناب کیواں مآب دام ظلہ

چونکہ حضور کے غافل و کاہل متصدیوں نے اس ہم کے ضروری اور لازمی اسباب کے سرانجام دینے میں سخت تساہل برتا اور یہ عقیدت مند جو خداوند کے حکم کو خدا تعالیٰ کے حکم سے کبھی کم نہیں سمجھتا فرمان والا شان کے صادر ہوتے ہی شہر سے نکلتے فچپور میں قیام پذیر ہوا اس بات پر سخت تعجب اور تعجب کے ساتھ افسوس ہوتا ہے کہ اگرچہ روز مجھے انتظار ہی انتظار میں گزر گئے لیکن اس وقت تک ہم کی سرانجامی کا کوئی اثر ظاہر نہیں ہوا۔ لہذا غلام محض بے خطا ہے نیز مجھے کامل تحقیق اور پورے یقین کے ساتھ معلوم ہو گیا ہے کہ مطالب ضروری کی درخواست میں بھی بساجت و بجا جت مکرر عرض کرنا اور دولت مراد متصدیوں کفایت شعار کا پرہیزوں کی حضور سے شکوہ و شکایت کرنا اپنے تئیں محض حقیر و بے اعتبار کرنے کے علاوہ ایک ایسی قابل متفر اور لایق اعتراض بات ہے جو اس عظیم الشان حکومت کے لئے کسی طرح موزوں اور زیبا نہیں اور یہ امر ایک عالم پر روشن و ہویدا ہے کہ رانا کی ہم ایک نہایت جانفشانی

اور دل گداز مہم ہے اس کا وسیع ملک اور حکیم انسان پہاڑوں کی دشاگرڈا  
 راہیں بغیر وانی غزانے اور کافی لشکر کے سر نہیں ہو سکتیں چونکہ بار بار سماجیت و  
 مجاہدیت کا استعمال کرنا حضور کے ملال خاطر اور اپنی حقیقت و تحقیر کا قوی باعث  
 ہے اس لئے فدوی کی التماس ہے کہ اس عقیدہ مند کو چند روز کے لئے  
 اپنی جاگیر میں پہلے جانے کی اجازت دیجئے تاکہ وہاں سے ان تمام باتوں کا  
 کافی انتظام کر کے خدمت مامورہ کے بجالانے میں کوشش کرے۔

عرضی نور الدین محمد سلیم

یہ عرضی پٹر بکرا کبر کو سخت ملال اور انتہا سے زیادہ پرہنج ہوا اس وقت اس  
 نے چاروں طرف تجسس آنے لگا کہ کون ایسا شخص ہے جو اپنی  
 عقل و دانائی اور اصابت رائے سے شہزادہ کی دہجائی میں نہایت سرگرمی  
 کے ساتھ کوشش کرے اور اس کے اس خیال کو اپنی زیر نظر اور عاقلانہ  
 گفتگو سے شکست دیدے مگر اسکی نگاہیں کوئی ایسا شخص نہیں آیا انجام کار  
 اسکی پرشوق نظریں بخت النساء بیگم پر پڑیں اور وہ اس اہم اور وقت آفریں  
 مہم کے سر کرنے کے لئے منتخب کی گئی۔ بخت النساء بیگم اپنے ساتھ دو ایک  
 نہایت تیز عقل اور طباع ارکان سلطنت اور مغرور عہدہ دار لیکر جاگیر کے  
 پاس پہنچی اور اپنے بہانہ جہت بیجے کی تسلی اور دہجائی میں بید کوشش کی ہر  
 بات کے فراز و نشیب اور اتار چڑھاؤ سمجھانے اور ہر قسم کے نتائج پر غور دلایا  
 لیکن افسوس جہاں گیکر کی سمجھ میں خاک نہ آیا اور اس نے اپنے بزرگوار باپ  
 اور قابل احترام پوپی کی تمام آرزوؤں پر ناکامی کا پانی پیر دیا انجام کار  
 اس اخلاطوں منفس خاتون نے طوعاً و کرہاً اپنے بیٹے اور خدی بیٹے کو  
 الہ آباد وخصت کیا اور بنبرار مایوسی مل میں واپس آئی۔

اس طول واقعہ کے لکھنے سے میری مرث اتنی ہی غرض تھی کہ بخت انسان پر اپنی بیدار مغزی اور بلندی نظری اور تجربہ کاری میں اس درجہ شہوتی کہ اکثر جیسے متین اور بنجیدہ بادشاہ کے اس قدر وسیع دربار اور محل میں کوئی منتضیٰ اس کے رتبہ کو نہ پہنچ سکا تھا اس لئے اکبر نے اس مشکل کام کے سر انجام دینے کے لئے اس جمیل اور ماحولہ سیکم کو منتخب کیا۔

## بہار بانو سیکم

یہ انتہا سے زیادہ حسین اور پیر سچیز سیکم نور الدین جہانگیر بادشاہ کی نہایت پیاری اور عزیز لڑکی تھی اس کے حسن و جمال اور ساتھ ہی علم و فضل کا شہرہ تمام ہندوستان میں پہلا ہوا تھا بادشاہ کو نسبتاً تمام اولادیں یہ سیکم بہت ہی پیاری تھی اسی واسطے اس کے مزاج میں تسنہ خونی اور ورشتی بہت زیادہ تھی مجلس کی تمام بیگمات اس کے یہ غیظ و غضب سے ہرقت ترسان و خائف رہتی تھیں اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر بات میں اس کی خوشی اور دلجوئی مد نظر رکھتی تھی۔

جب بہار بانو سیکم سن بلوغ کو پہنچی تو جہانگیر نے بڑے ترک و اعتشام سے شہنشاہی میں اسکی شادی شہزادہ طہورث پسر شہزادہ دانیال کے ساتھ کر دی۔ نکاح کے بعد اس روز کی سامان کی کیفیت جو لڑکی کے رخصت کرنے کا دن تھا قابل دید اور یاد زمانہ ہے۔ عام طور پر شہر کے تمام بازار آراستہ تھے دوکانیں منجر سے جگمگ رہی نہیں۔ درختوں پر سزاراناز و لغت اور زریں تہاں لپیٹ دئے گئے تھے سڑکوں اور عام شاہراہوں پر دوی غل و چھا دی گئی تھی نوشہ کی آمد و رفت کے لئے جو راستہ مقرر کیا گیا تھا

اس کے دونوں طرف فوجیں دو در دو تک صف آرا کھڑی تھیں یہ صفیں  
 سڑک کے دونوں جانب متصل ایک میں سے زیادہ تک تھیں اور اون کی  
 وضع و لباس سے عجیب شان و شوکت اور عظمت و جلال کا اظہار ہوتا تھا  
 اور یہ فوجی دریا اس میں لہریں لے رہا تھا۔

جس وقت شہزادہ طہورث ایک عظیم الشان بادشاہ کی چاہتی بیٹی کو سامنے  
 چلا ہے وہ وقت بھی زیادہ چشت انگیز تھا اور ایک ایسا عجیب و غریب  
 سماں تھا جو کسی طرح بیان نہیں ہو سکتا

جب فوج کا تانتا ختم ہوا تو اخیر میں شہزادہ طہورث آیا اور عجیب شانی شوکت  
 فوجی لباس سے جسم آراستہ تھا کمر میں ایک تلوار بندھی تھی اگرچہ سن تھوڑا ہی  
 تھا لیکن جس انداز سے وہ کوہ پیکر با تھی پر سوار تھا اور اس کے چہرہ سے  
 جس جرأت اور شان کا اظہار ہوتا تھا بیان میں نہیں آ سکتا چند بڑے  
 بڑے نامور اور معزز فوجی افسر رکاب میں تھے با تھی آہستہ آہستہ قدم  
 اٹھاتا تھا اور ہر قدم پر مبارکبادی کا اس زور سے نعرہ بلند ہوتا تھا کہ  
 سارا میدان گونج اٹھتا تھا۔

الغرض اس شان و شوکت اور آں بان سے شہزادہ طہورث محل میں داخل  
 ہوا۔ اور ایک بڑے معزز اور ممتاز جماعت کے سامنے اس کا کلی شہزادہ  
 بہار بانو بیگم سے گردیا گیا۔ جو جہیز جہاںگیر نے بہار بانو بیگم کو دیا اسکا انداز  
 کسی طرح سے نہیں ہو سکتا۔ شادی کے بعد جہاںگیر کو شہزادہ طہورث  
 سے بید الفت ہو گئی تھی اور اب وہ اسے بہار بانو بیگم سے کسی طرح کم  
 نہیں سمجھتا تھا۔ علاوہ ان انعامات کے جو مختلف جشن اور فتوحات کی  
 خوشی کے موقعوں میں سلطنت کی طرف سے اُسے عطا ہوتے رہتے تھے

بارہ لاکھ روپیہ سالانہ ہمیشہ ملا کرتا تھا۔ لیکن سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہزادی بہار باؤ یکم کو اس مشین عشرت میں زندگی بسر کرنے اور ان حشمت انگیز سامانوں کی بہار کوٹنے کا بہت کم اتفاق پڑا یعنی عین عالم شباب میں اس فانی اور ناپائدار دنیا سے رہگرا لے سفر آخرت ہوئی۔

## بائی اودیپوری

یہ عقیقہ اور پاکدہن خاتون راجہ اودیپور کی عزیز و چاہیتی بیٹی ہے اس حور و شاد اور پری پیکرانی کو قدرت نے وہ دلگیر صورت اور زاہد فریب حسن عطا کیا تھا جسکی نظیر مشرقی حصوں میں نہر تلاش جستجو کے بعد بھی نہیں مل سکتی۔ مورخوں کا بیان ہے کہ رانی اودیپوری جس طرح حسن خوبصورتی میں بے مثل اور لاجواب تھی اسی طرح عقل و دانائی اور فہم و فراستیں بھی منتخب تھی اس کے حسن کے عالمگیری نے بڑے بڑے راجاؤں اور شہزادوں کو اپنا شیدائنا بنالیا تھا جو نسبت کسی راجہ یا شہزادہ کی امتیاز نہیں کی آتی تھی راجہ خود اسکی رائے دریافت کرتا تھا اور یہ بالا بالا اس کی تحقیق کرتی تھی اس عرصہ میں کہ اسکی عمر اٹھارہ سال کی ہو گئی اور کوئی بات قرار نہیں پائی۔

چونکہ بائی اودیپوری ہتیار بند اور شجاع تھی اور مردوں کے پہلو پہلو دم فرانگی دیتی تھی اس لئے راجہ کی طرف سے اسے بالکل آزادی حاصل تھی یہ اکثر اوقات گھوڑے پر سوار ہو کر بازاروں اور باغات و جنگلات میں سیر کرتی پرتی اور جب کوئی عظیم الشان جنگ پیش آتی تو مسلح ہو کر میدان میں جاتی اور شجاعت و بہادری کے حیرت انگیز نمونے دکھاتی۔ جو جو خیر

ایک اعلیٰ درجہ کی حین و خوبصورت اور بہادر عورت میں ہونی چاہئیں وہ سب اس خاتون میں موجود تھیں۔

الغرض اب بائی اودھ پوری کی عمر قریباً پچیس برس کی ہو گئی اور اس نے اپنے لئے کوئی خاوند تجویز نہیں کیا اور کرتی کیونکر قدرت نے تو اس کی قسمت میں عالمگیر جیسے عظیم الشان بادشاہ کے پہلو میں بیٹھنا اور کفر کی ظلمت خیز تاریکی سے نکل کر آفتاب اسلام کے نورانی سایہ میں زندگی بسر کرنا لکھا تھا یہ کیونکر ممکن تھا کہ وہ نوشتہ تقدیر کے برخلاف اپنی قسمت کا فیصلہ کسی دوسرے شخص کے ہاتھ میں دیتی جب عالمگیری فتوحات کے چند ٹکڑے دکن میں گر چکے اور وہاں کے کل اضلاع و اقطاع بادشاہ کے قبضہ میں پورے طور پر آچکے تو اب عالمگیر نے راجپوتوں کی سرکشی اور بغاوت کی آگ بجھانے کی طرف توجہ کی اور سب سے پہلے اجمیر کی طرف رخ کیا جس کا فتح کر لینا اس کے لئے ضرور تھا۔ خاص اجمیر میں ایک بہت بڑی خونریزی ہوئی اور ایک عظیم الشان جنگ سے سارا جنگل مٹخ ہو گیا۔ اس جنگ سے فایز ہونے کے بعد عالمگیر کا ارادہ دار الخلافہ میں واپس آنے کا ہوا لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنی عنان توجہ دار الخلافہ کی طرف موڑے تعلقہ جو وہ پورا اور سرکش راجپوتوں کے دیگر پرگنوں کو اسنے بہت جلد جلد فتح کر لیا جو وہ پورے مسلسل پہاڑوں کی گہائیاں اور ان کی پتھر درپتھر اور دشوار گزار راہیں گولیاں سخت معلوم ہوتی تھیں مگر جب اس فہمید اور صاحب اقبال بادشاہ کی تلوار ہلکی تو بہت اُن ملاقوں میں عالمگیری فتح کا پیرا ہوا میں فراموش نہ رہے۔

عالمگیر خاص اجمیر اور اس کے اضلاع کو فتح کر کے جوہ پور کی طرف بڑھ لیکن رات نے اس کی خونریز فوج سے مقابلہ کی طاقت نہ پا کر چند معتبر و فہم فہم

وکیل سے بہت سے لاپی مضمونوں کے مالگیر کی خدمت میں روانہ کئے اور ایک  
 حرمی بایں مضمون کو بکھر روانہ کی۔

### مالیجا باشوکت پناہ

آپ کا ملام نہایت عاجزی اور بجا جت سے عرض کرتا ہے کہ میں نے اس  
 بغاوت کی آگ بھڑکانے میں ہرگز اشارہ نہیں کیا نہ میرا مشا تھا البتہ بعض  
 خود سرا و مترو دہ چوتوں کے بعض پیچیدہ معاملات سے یہ کیفیت پیدا ہوئی  
 ورنہ حد اتواستہ نہیں مانگی ہوں نہیں نے بغاوت کا اعلان دیا ہے  
 میں بدستور سابق حضور کے حکم پر گردن تسلیم خم کر کے حاضر اور مقررہ جزیرہ دینے  
 کے لئے موجود ہوں دو تین پرگنہ زر جزیرہ کے عوض اپنے ملک۔ قبضے سے  
 نکال کر حضور کے قدام کو تفویض کر دیتا ہوں اور علانیہ کہتا ہوں کہ اب  
 سے راجہ جہونت کے فرزندوں کی اعانت و امداد میں کبھی بھول کر بھی قدم  
 نہ رکھوں گا۔ لہذا امید ہے کہ حضور میری گذشتہ نعرشیں معاف کریں گے  
 اور میری اس عرضداشت کو غفلت قبولیت سے آراستہ کر کے مجھے معزز  
 و مت از فرمائیں گے۔

نیک بہاد اور محمدل مالگیر نے رانا کی اس تقصیر سے چشم پوشی کی اور اس ضلع  
 کے باقی بندوبست اور انتظام کے لئے خان جہاں بہادر کو چھوڑ کر خود انتظام  
 کی طرف متوجہ ہوا۔ ہنوز تو ہڑسہ ہی دن گزرے تھے جو خبر آئی کہ رانا نے  
 راجپوتوں کی ایک کثیر التعداد فوج جمع کر کے بغاوت کا اعلان دیا اور بغاوت  
 و سرکشی کے جہنمے اونچے کئے مالگیر بسیار محمدل اور نیک مزاج تھا ویسے  
 ہی تند خوا اور خوشیلا بھی تھا اس وحشتناک خبر کے سنتے ہی اس کے تن بدن  
 میں غصہ کی آگ لگ گئی اور رگوں میں جوش غضب خون کی طرف دوڑنے لگا

اس لئے تھی وقت بہ قسمت رانا کی نادید و گوشمالی اور دیگر بد حال ناماقت  
اندیش مرا چوتوں کے استیصال اور بیخ کنی کا قصد کیا اور عجیب فوری جوش کے  
ساتھ اجمیر کی طرف بڑھا۔

اسی اثنا میں پادشاہزادہ محمد معظم کے نام فرمان جاری ہوا کہ دکن سے عاجلانہ  
جیش کر کے امین میں آپہنچے اور حکم ثانی کا منتظر رہے اور دوسرے پادشاہزادے  
محمد معظم کی طلبی میں حکم صادر ہوا کہ جنگالہ کو بہت جلد چوڑ کر اجمیر ملا آئے اور جب  
مالگیری فوج اجمیر کے قریب پہنچی تو پادشاہ نے شاہزادہ محمد اکبر کو رانا کی تنبیہ  
و نادید کے لئے منتخب کیا اور ایک خوشخوار فوج کا بڑا بھاری دستہ دیکر  
اوسر روانہ کیا۔

رانا کو جب یہ خبر ہوئی تو اس نے اویپور کو جو اس کا دار السلطنت تھا اپنے  
ہاتھ سے ویران و تباہ کر ڈالا اور خزانہ اور اہل و عیال اور راجہ جسونت اور  
رعایا کو ساتھ لیکر پہاڑوں کی دشوار گزار گھاٹیوں اور تیرہ و تاریک دروں میں  
جا چھپا۔ مالگیری نے بڑے بڑے تجربہ کار فوجی افسروں اور فلاطوں منشی امر کو  
شاہزادہ محمد اکبر کے رکاب میں معین کرنے کے حکم دیا کہ بے دھڑک پہاڑوں کی کسسل  
اور بیخ در پیچ گھاٹیوں میں گھس کر کفار کی بیخ کنی میں کوئی دقیقہ اٹھانہ رکھے اور  
رانا کو معہ اسکے اہل و عیال کے زندہ گرفتار کر کے حاضر مذمت کرے۔

شاہزادہ محمد اکبر تو رانا کے تعاقب میں گیا اور مالگیری نے بہت سے دلاوروں کو  
رانا کے ملک و زراعت کے تاخت و تاراج اور پامال کرنے کے لئے  
روا نہ کیا اتنے میں خبر آئی کہ شاہزادہ محمد معظم امین میں آپہنچا۔ مالگیری کی طرف  
سے ایک فرمان بایں مضمون جاری ہوا کہ تالاب آنا ساگر کی طرف بڑھ آئے  
اور اپنے وفادار اور جان نثار لشکر اور تعلقہ رانائیں پیلا دے اور جس مقام



آبادی اور بسااست کا اثر ظاہر ہو بہادروں کے اثر دیا سیکر گھوڑوں کے  
سموں سے روند ڈالا جائے اور کوئی مستغص زندہ باقی نہ چھوڑا جائے۔ اسی  
اٹھائیس اطلاع دی گئی کہ پادشاہنوازہ محمد اعظم چارہینے کی راہ ایک ہینے سے  
کم میں طے کر کے خدمت عالی میں حاضر ہوا کہ اپنی جنگی اور جہار فوج کو کوہستانی  
راہوں اور دروں میں متعین کر کے رانا کے پرگنوں میں قتل و عام کے حکم دے  
اور راجپوتوں کی بیخ کنی اور ان کے اموال کی تاخت و تاراج کرنے لیں  
کوئی بات اٹھانہ رکھے۔

اس وقت رانا اور راجپوتوں کی ادا دین تقریباً پچیس ہزار سوار فراہم ہو گئے  
تہہ جنہوں نے مالگیری افواج کے مقابل جان بازی کی شرط ادا کی لیکن  
محمد اعظم کا جو فوجی دستہ پہاڑی دروں کی پشت پر ایستادہ تھا وہ اپنے افسر  
کا اشارہ پاتے ہی عقب سے ان پر ٹوٹ پڑا اور چاروں طرف سے محاصرہ  
کر کے انہیں بیدار قتل کرنا شروع کیا۔ بہادروں کی خونخوار تلواروں سے  
ہزاروں راجپوتوں کے جسم بے سر ہو گئے اور سارا جنگل خون سے لبریز ہو گیا  
یہ جنگ ایسی گہسان کی تھی کہ راجپوتوں میں سے ایک شخص بھی جانبر  
نہیں ہو سکا اور سب کے سب اس خونی دریا میں غوطہ کھا کر تہہ دے ہو گئے  
جب میدان صاف ہو گیا تو مالگیری افواج پہاڑوں کے دروں میں بے  
خوف و خطر گھس گئے اور جو سامنے آیا تلوار سے اس کا سر کاٹ لیا گیا جتنے  
کہ رانا مع اہل و عیال کے زندہ گرفتار کر لیا گیا۔ مالگیر کے لشکر میں فتح کے  
نعرے اس قدر بلند ہوئے کہ سارا میدان گونج اٹھا اور خوشی کے شادیانوں  
نے بہادروں کے دلوں میں ایک عجیب جوش و سرور پیدا کیا۔  
جب رانا کے لشکر کو شکست ہوئی تو منجمد اون قیدیوں کے جو مالگیر کے

در بار میں زندہ گرفتار ہو کر آئے تھے ایک رانی او دیو پوری بھی تھی جسے مالگیر جیسا سمجھا اور باوقار بادشاہ بھی دیکھ کر حیرت زدہ ہو گیا ہر چند کہ مالگیر کی نگاہ اس کا فردا حور و شہ پری پیکر کے استقبال کو ایک بڑی بے تابی کے شوق سے آگے بڑھی تھی مگر اس کی راسخ الاعتقادی اور مذہب کی پابندی نے اسے بڑی بدفرگی کے ساتھ واپس کر دیا۔ اس وقت مالگیر کا چہرہ ان لوگوں کے دیکھنے کے قابل تھا جو چہرہ کے فوری تغیرات کو ملاحظہ کرنا چاہتے ہیں لیکن نہیں مالگیر کے انتہا سے زیادہ زہد و اتقانے اتنا موقع ہی نہیں دیا کہ کوئی اس کے چہرہ پر نظر ڈالے اور اُس کے ان فوری تغیرات کو پاسکے۔

مالگیر اس جن کی دیوی کو دیکھتے ہی اٹھ کھڑا ہوا اور اس کے ایسا سے بانی او دیو کو محل شاہی میں داخل کر دیا گیا۔ مالگیر نے اس حسین و خوبصورت اور ذہین و طبع خاتون کا موقع و بے موقع ہر بات میں امتحان لیا اور ہر امر میں اسے قابل لائق پایا انجام کار اسے اپنی بیگموں کے سلسلہ میں جگہ دیکر ممتاز کیا اور اب وہ مالگیر کی بیگم مشہور ہو گئی۔ بانی او دیو پوری نہ صرف اپنی ظاہری حسن و خوبی سے بلکہ اپنی غذا و قابلیت اور اپنی شائستگی و تہذیب سے اور بیگمات کی نسبت مالگیر کی بہت پیاری اور چاہتی بی بی ہو گئی۔

بانی او دیو پوری کے بطن سے شہزادہ محمد کا بخش پیدا ہوا جو بڑا ہو کر عقل و دانائی اور علم و فضل میں اپنے تمام بھائیوں سے سبقت لے گیا۔ شہزادہ محمد کا بخش دسویں رمضان ۱۰۸۷ ہجری کو پیدا ہوا اور شاہی سایہ میں پرورش پائی اسے عربی اور فارسی کے علاوہ ترکی زبان میں بہت بڑی مشق ہو گئی تھی کتب متراجمہ ہر پوری دستگاہ حاصل تھی شجاعت و سخاوت اور دیگر اخلاق

میں کافی حصہ رکھتا تھا۔ مالگیر کے انتقال کے دو سال بعد تیسری بھینس  
کو راہ گرائے سفر آخرت ہوا۔

## بائی بھوٹ دی

یہ پاک طینت اور نیک سیرت خاتون راجہ کشور کی بیٹی ہے جس کے روز  
افروں حسن اور ترقی پذیر علم و ادب کا چرچا اس عہد میں گہر گہرا ہوا تھا  
اور جس کی تاریخی زندگی بیشک اس قابل ہے کہ ہم اپنے ہموطن خاتونوں  
کے آگے عفت و عصمت اور علم و فضل کا ایک بچا نمونہ قرار دیکر پیش کرنے  
کی جرات کر سکتے ہیں۔

یہ ایک تعجب اور تعجب کے ساتھ انوس کی بات ہے کہ ہمارے مورخوں نے  
اس نیک فطرت اور مہذب خاتون کے ابتدائی زندگی کے حالات کا پتا  
لگانے کی طرف بہت کم توجہ کی ہے ورنہ ہمیں بغیر تردد و معلوم ہوتا کہ اسنے  
کیونکر اور کس طرح علوم و فنون کو حاصل کیا اور اس کی اس خداداد شہرت  
اور فطری قابلیت کے ظاہر ہونے کا کیا سبب ہوا لیکن تاہم اس قدر یقین  
کے ساتھ معلوم ہوتا ہے کہ بائی بھوٹ دی اپنے عہد کی ایک نہایت مہذب  
تعلیم یافتہ اور بہادر خلیق نیز اپنے وقت کی ایک بہت بڑی فیاض و غیر اور  
مہماں پرست عورت تھی ہر چند کہ اس کا باپ راجہ کشور بھی بڑا سخی اور  
کریم النفس شخص تھا لیکن جو فیاضی اور غربا و مساکین کی خبر گیری میں اسکی  
چسپی بڑی ہوئی تھی اس میں راجہ اپنی اکلوتی اور پیاری بیٹی کی کبھی  
براہمیری نہ کر سکا۔

اس امر کے ملاحظہ کرنے سے ناظرین کو تعجب ہو گا کہ بائی بھوٹ دی کی

تہذیب اور طرز معاشرت میں ملی برکتوں اور فیاضیوں سے بہت بڑا انقلاب  
 اور حیرتناک تغیر و تبدل ہو گیا تھا۔ گو وہ ایک ہندو گھر میں پیدا ہوئی اور ہندو  
 ہی خاندان میں نشو و نما پایا لیکن اسکی طرز معاشرت اور تمدنی حالت جسطرح  
 بھی تھی وہ سب نرالی اور انوکھی طرز کی تھی۔ عام طور پر دیکھا جاتا ہے کہ ہندو  
 مستورات کو دیگر اقوام سے سخت تعصیب و تنفر ہوتا ہے لیکن یہ ایک نہایت  
 ہی عجیب بات ہے کہ اس عاقلہ خاتون کو مسلمانوں سے بالکل تعصیب  
 نہ تھا بلکہ ان کی قدر و منزلت اور شان و شوکت کا اثر اس کے دل میں جوڑ  
 تھا اور مرتے دم تک باقی رہا۔ اُسے مسلمانوں کی ترقیوں اور ان کی فنی  
 و دنیاوی کامیابیوں پر حسد نہ تھا مگر ہندوؤں کے تنزل و پستی سے  
 کسی قدر رنج و رور ہوتا تھا۔

بالی بھوت دی مہیسی فطری شوخ تھی ویسی ہی سنجیدہ اور متین بھی تھی علی  
 ہذا القیاس جب قدر ابتدا میں تند خواہ و تیز مزاج تھی اُسی قدر اُسے وقار و  
 سنگت اور تحمل و بردباری کا حصہ بھی قدرت سے ملا تھا اور چونکہ علی فیاضیوں  
 اور تعلیمی برکتوں سے کافی طور پر بہرہ ور ہو چکی تھی اس لئے آزاد خیالی، بلند  
 نظری، حوصلہ مندی، زندہ دلی یہ سب باتیں اُس میں پیدا ہو گئی تھیں  
 جو تسلیم قدیم کا لازمہ ہیں۔

اس پاکہ امن اور عصمت پناہ خاتون کو ایک مدت تک شادی کرنے سے  
 انکار رہا وجہ یہ کہ جن امیر زادوں نے اپنی نسبتیں اس کے پاس بھیجیں  
 نے ان میں سے ایک کو بھی قابل و لائق نہیں پایا ہر چند کہ بعض مستحلت  
 نے بہت بڑی ہمشش کی کہ الٹی بھوت دی کو شادی پر آمادہ کریں مگر  
 اُس نے کبھی اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا بلکہ بعض اہل حق پر حیات

جواب دیدیا کہ جب مجھے ہر طرح سے آزادی دیدی گئی ہے اور میرے جملہ حقوق محفوظ کر دیئے گئے ہیں تو مرتے دم تک کبھی اپنے لئے جاہل شوہر تجویز نہ کروں گی اور چونکہ میں نے اب تک ہر شخص کو ناقابل پایا اس لئے انکار کر دیا حقیقت میں اگر ہم بانی بھوت دی کی علمی ترقیوں اور تعلیمی فیاضیوں زیر اس کی تمدنی حالت اس کی معاشرتی طرز اس کی بلند نظری و روشن دماغی اس کے ان تمام حیرتناک کارناموں پر غور ہیں اور نصفت پسند نظر ڈالتے ہیں حج وقتاً فوقتاً اس سے صادر ہوتے رہے تو ہمیں عموماً یہ امر تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ بیشک اس سے اچھی نازک دماغ اور فیاض و حوصلہ مند عورت ہندستان کو بہت کم نصیب ہوئی ہے۔ اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ بانی بھوت دی علمی برکتوں کی مجسم تصویر تھی اور عالمانہ وقار کا قائم رکھنا اس پر ختم ہو گیا تھا جیسا کہ ہم سابقاً ذکر کر آئے ہیں کہ بانی بھوت دی کی ابتدائی زندگی کے حالات کا پتہ لگانے میں مورخین نے بہت کم توجہ کی ہے جس سے ہم اس کی پوری لاف کی خوشنما تصویر ناظرین کو دکھانے سے محض قاصر ہیں اسی طرح ہمیں یہاں بھی بافوس کہنا پڑتا ہے کہ مورخین کی بے پروائی سے ہم یہ بھی نہیں جان سکے کہ اس کے درمیانی زندگی میں کون کون واقعات اور حوادث پیش آئے۔

ہمیں یہ بھی بالکل معلوم نہیں ہوا کہ بانی بھوت دی کئی شادی کس سن میں ہوئی اور شادی کے وقت وہ کس قدر عمر رکھتی تھی علیٰ ہذا القیاس ہم یہ بھی نہیں بتا سکتے کہ تیموری خاندان میں وہ کس طرح داخل ہوئی کیا اس کے باپ راجہ کشور نے بطریق یہ یہ مالگیری دربار میں اسے ہیچا یا کسی مہر کمین زندہ گرفتار ہو کر بہانہ تک پہنچی لیکن اس قدر ہم یقین کے ساتھ کہہ سکتے ہیں کہ

ایک زمانہ کے بعد اور غالباً جبکہ عالم شباب نے چھٹکی حاصل کر لی ہوگی ہم  
ہم اُسے شہزادہ محمد سلطان ابن مالگیر بادشاہ کے محل میں پاتے ہیں جب  
بانی بھوت دی شہزادہ محمد سلطان کے محاکم میں آئی تو اُسے اس سے  
کمال محبت و الفت پیدا ہو گئی اور چند ہی روز میں جانبین سے وہ مقامی  
جذب و کشش پیدا ہوئی کہ ایک کو ایک سے لمبی جدائی بھی نہایت شاق  
و ناگوار تھی۔ شہزادہ محمد سلطان اس نیک سیرت خاتون کی ہر سراداد پر جان  
دیتا اور بات بات پر قربان ہوتا تھا۔ شہزادہ محمد سلطان مالگیر کا سب  
سے بڑا اور چاہیتا بیٹا تھا جو چوتھی رمضان ۱۰۳۸ ہجری کو نو اب بانی کے  
بطن سے پیدا ہوا یہ شہزادہ ایک ایسی حیرتناک تربیت و معاشرت کے تحت  
متصطف تھا جس سے حوصلہ مندی بلند خیالی دقیق نظری جوش بہت غرض  
تمام شریفانہ اوصاف اور شرف آداب پیدا ہوتے تھے فارسی زبان کے  
علاوہ ترکی اور عربی میں پوری مہارت رکھتا تھا اور ہر قسم کے علمی مذاق سے  
اسے انتہا سے زیادہ دلچسپی تھی شجاعت اور دلیری اسکی فطرت میں گویا  
قدرت نے کوٹ کوٹ کر بہر دی تھی اکثر شرموکوں میں اس نے وہ واڈ بجا  
دی اور بہادری کے جوہر دکھائے جس سے تاریخی صفات اب تک روشن  
و منور پائے جاتے ہیں سچ پوچھئے تو بانی بھوت دی کے لئے یہ بڑی  
خوش قسمتی کی بات ہے کہ اس نے ایک ایسے قابل و لائق شخص کے  
پہلو میں نہایت خوشی اور شادمانی کے ساتھ زندگی بسر کی جو علم و ہنر کی  
مجسم تصویر تھا اور جس سے اچھا نازک دماغ بلند حوصلہ عالی بہت آزاد  
خیال و ایشیائی دنیا کو بہت کم نصیب ہوا لیکن افسوس کہ اس فخر و بھار  
اور قابل یاد گار نے عین عالم شباب میں یعنی جبکہ اُس کی عمر صرف تانیس

برس کی بھٹی شمشاد میں انتقال کیا اور اپنے پس ماند گوں کو ہمیشہ کیلئے ایک بہت بڑا داغ دے گیا۔

## بچپنی بیگم

یہ عقیل و جمیل بیگم سلطان بلند اختر کی عزیز بیٹی اور محمد شجاع ابن شاہجہاں شاہ کی چاہتی پوتی ہے جو حسن و جمال کے علاوہ نہایت متعین و سنجیدہ اور حسب عقل و شعور تھی۔ اس بیگم کو اپنے محل کے چمن میں آبپاری کرنے اور درختوں کے سینے کا بڑا شوق تھا اس کا عام قاعدہ تھا کہ فجر کی نماز سے فارغ ہو کر اور معمولاً تلاوت قرآن سے محظوظ ہو کر آفتاب نکلنے سے پیشتر اپنے محل کے چمن میں آبپاری کرتی ہوئی دکھائی دیتی تھی خود اپنے نازک ہاتھوں سے چوٹے چوٹے خوشنما پودوں کو لگاتی اور درختوں کو بڑی مہربانی اور ترتیب کے ساتھ درست کرتی تھی پیوند چڑھاتی اور کیاریوں کو باقاعدہ بناتی تھی غرض کہ آفتاب نکلنے سے پہلے پہلے وہ ان تمام کاموں سے فارغ ہو جاتی تھی۔

بچپنی بیگم اپنے تمام فرائض منصبی کو خود بڑی جرأت اور آزادی کے ساتھ ادا کیا کرتی نہ تو اسے کسی کام کرنے سے مارنگ آتی نہ کسی کام میں اپنی خواہش اور ملازموں کی محتاج اور منتظر رہا کرتی۔ بلکہ جو کام کرنا منظور ہوتا خود نہایت مستعدی اور سرگرمی کے ساتھ کرتی اور اس کی تکمیل کو اپنا فرض خیال کرتی تھی قدرت سے اسے شانت و سنجیدگی کا وہ حیرتناک اور عجیب خیر حصہ ملا تھا جس سے اس کی فطرت و تہذیب میں ایک بہت بڑا تغیر و تبدل ہو گیا تھا اس لئے اس کا زیادہ وقت خاموشی اور سکوت میں صرف ہوتا تھا

اور اسی کو وہ اچھا بھی جانتی تھی لیکن انوس اس بلند خیال اور آزا بیگم کو بڑے بعد لے  
 ہی زمانے کا سب سے یہ بڑا وسعت جانکاہ ظلم سہنا پڑا کہ تھوڑی ہی سی عمر میں یتیم  
 ہو گئی اور یہ چنا و ستم کا پہاڑ اُس پر دفعۃً ایسا پھٹ پڑا جس نے اس کی تمام خوشی  
 و آزادی کو دفعۃً خاک میں ملا دیا اور اُس کے پرشوق ارمانوں اور حیرت انگیز ولولوں  
 پر ناامیدی و مایوسی کا پانی پھیر دیا گو اس کے والد کے انتقال کے بعد اس کے  
 سامان میں کسی طرح کا فرق نہ آیا اور وہی شہمت انگیز اور زرخیز نہال اُس  
 کے لئے ہمیا کیا گیا مگر اب بچنی بیگم کی طبیعت وہ جوش و آزادی جو سلطان بلند اختر  
 کے سامنے تھی بالکل نہ ہی تھی اُس کا دل بالکل اُس پھول کی طرح کھل گیا تھا  
 جو آفتاب کی تحت اوتیر و ہو پ کہا کر زمین پر گر پڑتا ہے اور اس کے ہر ہنسی پڑی  
 کے نیچے سینکڑوں شوق حسرتوں سے گئے مل کر رو یا کرتے اور ہزاروں  
 تمنائیں خاک کے تلے تر پا کرتی ہیں۔

بچنی بیگم کے سر سے اُس کے عزیز و مہربان باپ کا یوں اچانک سایہ اٹھ جانا  
 درحقیقت اس کے لئے ایک ایسا جاگداز صدمہ اور جگر خراش واقعہ تھا جس نے  
 اُس کی کمر کو بالکل دوہرا کر دیا تھا۔ اگر ایسے نازک اور مصیبت انگیز وقت میں عالمگیر  
 جیسا رحمل و نیک نہاد شخص اُس کی ونگیری اور نگہداری نہ کرتا اور اُس کے  
 ساتھ رحمانہ و فیاضانہ برتاؤ نہ برتنا تو بیشک بچنی بیگم کی زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا  
 کیونکہ قدرتا اس کی طبیعت ایسی نازک واقع ہوئی تھی کہ ان جیسے صدموں کا  
 کبھی تحمل نہ کر سکتی تھی۔ خود بچنی بیگم اکثر کہا کرتی تھی کہ جو مصائب زمانہ اور حوادث  
 روزگار مجھے پیش آئے ہیں اگر ان میں حضرت عرش مکانی میرے نگہدار نہ ہوتے  
 تو میری زندگی کا خاتمہ ہی ہو جاتا۔“

مؤرخین کا بیان ہے کہ اونیسیویں ریح الاول ۱۱۸۰ ہجری آخر شب کو عالمگیر کے



پاس خبر پہنچی کہ سلطان بلند اختر رہنما اسے عالم بقا ہوا عالمگیر کو اس دشتناک  
 خبر سے سخت رقت ہوئی اور بے انتہا رنج ہوا۔ اسی وقت خواجہ مسعود کو حکم دیا  
 گیا کہ سلطان بلند اختر کے تینوں لڑکوں اور تمام مجلسِ راجیگیات کو نہایت تحفظ  
 اور احتیاط کے ساتھ قلعہ احمد نگر میں پہنچا دیا جائے اور مرحوم کی لڑکی بچہ بیگم  
 کو نہایت تسلی اور دلجوئی سے محلِ خاص میں لایا جائے۔ عالمگیر کے ارشاد کے  
 مطابق جب بچہ بیگم محلِ خاص میں حاضر کی گئی تو بادشاہ و دربار سے اُنکر محل  
 میں آیا اور بچہ بیگم کے سر پر ہاتھ پیر کر فرمایا۔ ”بیٹا! تو ہرگز نہ سمجھو کہ سلطان  
 بلند اختر دنیا سے اٹھ گیا میں تیری دلجوئی اور تسلی میں بلند اختر سے کسی درجہ کم  
 ثابت نہ ہوں گا میں آج سے تجھے اپنے فرزندوں سے زیادہ سمجھوں گا اور  
 تیرے ساتھ وہی برتاؤ دیرتوں کا جو ایک مہربان باپ اپنی لایق و قابل  
 اولاد کے ساتھ برتتا ہے تیری آزادی میں کوئی خلل انداز نہ ہوگا اور تیری  
 شادمانی اور خوشی کے اسباب مہیا کرنے میں کوئی دقیقہ اُٹھانہ رکھا  
 جائے گا،“ عالمگیر تسلی آمیز الفاظ کہہ رہا تھا۔ ادھر بچہ بیگم کی روتے روتے  
 ہنسی بند گئی تھی اور اُسکی آنکھوں میں تمام عالم سیاہ اور تیرہ و تاریک نظر آتا تھا  
 لیکن پھر بھی اس نے اپنی طبیعت پر بہت زور ڈالا اور اپنے منہ سے بے شمار  
 عالمگیر کے قدموں میں ڈال دیا اس نے آداب شاہی کے قواعد اور فدیہ ویت  
 کے آئین ظاہر کر کے بکمال لجاجت عرض کیا کہ ”خدا تعالیٰ حضور کو ہر دے سر پر  
 ہمیشہ زندہ و سلامت رکھے اور فدیوں کو توفیق دے کہ آپ کے حکم و ارشاد  
 سے سر مو تجاوہ نہ کریں بیشک مجھے اپنے والد کے انتقال کا انتہا سے زیادہ  
 صدمہ ہے لیکن اس کے ساتھ ہی حضور کی یہ ولنازی اور عزت افزائی گویا ہم  
 غمزدوں کے کاری زخموں کے واسطے ایک برقی اثر موم ہے جس نے ہمارے

سارے تم غلط کر دیتے۔“ بچپنی میگز میں تک کہنے پانی تھی کہ عالمگیر نے جری نگساری اور ہمدردی کے ساتھ اُس کا سر اٹھایا اور بچپنی میگز اور بلند اختر کے تینوں فرزندوں کو یہ دُرو جواہر اور نامی خلعت عطا فرما کر رخصت کیا۔

سلطان بلند اختر جو عالمگیر کا بیٹا اور محمد شجاع ابن شاہجہاں کا عزیز بیٹا تھا اگرچہ عالمگیر کا سخت مخالف تھا لیکن عالمگیر کو اس کے مرنے کا اتنا ہی صدمہ اور قلی ہوا جیسا اپنے فرزند شہزادہ محمد سلطان کا۔ یہی سلطان بلند اختر اپنے باپ محمد شجاع کی افواج کا ایک بڑا بہادر خیرل اور خونریز افسر تھا اور عالمگیری حملے ثمرے زور شور سے برابر روک رہا تھا محمد شجاع کی تمام خونخوار فوجوں کی کان اسی کے ہاتھ میں تھی اور یہی بار بار عالمگیر کی بہادر فوج کا مقابل رہا اگرچہ اسے چند پے در پے اور تواتر شکستیں ہوئیں مگر وہ بار بار کی شکستوں سے کبھی کچھ نہیں ہوا اور انتہا سے زیادہ نقصان اٹھانے کے بعد بھی جنگ سے کبھی اس کی طبیعت اجاڑ نہیں ہوئی۔

عالمگیر کے ریمانہ اخلاق اور فیاضانہ عادات کی یہ ایک عام اور بدیہی نظیر ہے کہ وہ اپنے دشمنوں اور مخالفوں کے ساتھ یہی ویسے ہی خوش اخلاقی اور فیاضی سے پیش آتا تھا جیسے دوستوں اور یہی خواہوں سے۔ یہ انتہا درجہ کی جہالت بلکہ سخت نا انصافی اور بے ایمانی ہے جو بعض متعصب مورخوں نے اُس خدا شناس اور رحم دوست بادشاہ کو ظالم و جابر لکھا ہے۔ اگر وہ اس نامور بادشاہ کے حالات پر بنظر انصاف غور کریں گے تو انہیں پورے طور سے اس بات کا کافی ثبوت ہو جائے گا کہ ہم جو الزامات اُس منصف اور عادل بادشاہ پر لگاتے ہیں وہ محض بے بنیاد اور صرف ہمارے ہی تعصب و ہٹ دہرمی کا نتیجہ ہیں۔ اگرچہ ایک منصف مزاج اور نصفت پسند شخص کو ان کی اس تعجیہ آمیز حرکتوں سے سخت

رنج اور افسوس ہوتا ہے لیکن جو قوم ایک مدت تک دولت کے ساتھ اسلام کی زبردست اور فاتحانہ اسلام کے قدموں تلے رہ چکی ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ اس کا یہ سلوک بیجا نہیں ہے موزین کی بے توجہی سے ہیں یہ بالکل معلوم نہیں ہو کہ اس عفت گیش خاتون کی شادی کس سے ہوئی اور کب ہوئی نہ ہیں اس کی تاریخ وفات کا کہیں پتہ چل سکا جس کا کہیں سخت رنج اور رنج کے ساتھ افسوس ہے۔

## بیگم سلطان

یہ بہادر اور حوصلہ مند خاتون ابراہیم عادل شاہ والی بجا پور کی نہایت عزیز و پیاری بیٹی ہے جو شجاعت و مردانگی اور سخاوت و فیاضی میں اپنے زمانہ کی تمام ستوات سے مستثنیٰ اور ممتاز تھی اس کے حسن و خوبصورتی اور پر مغزی و ہوشیاری کے ڈنکے تمام ہندوستان بالخصوص دکنیوں میں بڑے زور شور سے بج رہے تھے اور شجاعت و بہادری کی دہوم ایک عالم میں مچ گئی تھی۔

ستہ ہجری میں جب اکبر فاتح ہندوستان کی جرار و جانباز فوج قلعہ احمد نگر کا محاصرہ کئے پڑی تھی تو بیگم سلطان - چاند بی بی کے پہلو پہ پہلو آمد بدوش بدوش محاصرین کے حملے زور شور سے روک رہی تھی - چاند بی بی - نظام الملک والی دکن کی چاہتی لڑکی تھی جو اپنے باپ کے انتقال کے بعد ملک و تخت کی وارث قرار دی گئی تھی اور جو اس محصور کی حالت میں قلعہ سے مضرت و نقصان دفع کرنے اور جنگ کے اہتمام و سر انجام میں مردانہ وار کمر بستہ باندھے ہوئے نہایت سرگرمی اور استعداد کے ساتھ کوشش کر رہی تھی۔

بیگم سلطان نے اس وقت چاند بی بی کا بہت ساتھ دیا اور شجاعت و جانبازی

کے خوب ہی جوہر دکھائے اسے کامیاب کرنے میں اپنی جان تک لڑادی اور محنت و کوشش کا کوئی دقیقہ اٹھانا نہ رکھا۔ اگرچہ بادشاہی لشکر نے مدبول کے باند بنے مورچوں کے دست کرنے نقبوں اور سرنگوں کے کہو دینے میں اپنی ساری تدبیر و کوشش اور کثیر التعداد روپیہ صرف کرو لیکن چاند بی بی کی بیدار مغزی اصابت رائے اور شجاعت نے اس کی تمام تدابیر کو خاک میں ملا دیا۔ اور تواتر گولہ باری اور زبردست شخونوں سے اکبری فوج کو بہت بڑا نقصان پہنچایا۔ آخر کار بہرہ ارکوشش و کشش کے بعد غامخاناں نے جوان دونوں اکبری افواج کا ایک مغز اور نامی خیرل تھا اور جو جنگ کے آثار چرماؤ اور موافق و مخالف پہلو سے بخوبی واقف اور بڑا تجربہ کار تھا اپنے لشکر گاہ سے قلعہ کے برج اور دیوار کے نیچے تک ایک نہایت عمیق اور گہری سرنگ لے گیا اور اس میں صد ہا من باروت کی تہیلیاں اتار دیں اسی طرح قلعہ کے مشرقی حصہ میں بھی ایک عظیم الشان نقب تیار ہو گئی۔ شیر دل اور باہمت چاند بی بی نے۔ قلاطون منش سلطان بیگم کی رائے سے چند ذمی عقل اور تیز ہوش جاسوسوں کو مین کیا اور نقب کا سراغ لگا کر حملہ کے دن سے پہلے قلعہ کی اندر کی جانب سے نقب کے مقابل زمین کہوئی شروع کی یہاں سے وہاں تک برابر ایک نقب کر کے باروت کی تمام تہیلیاں نکال لی گئیں اور احتیاط و دور اندیشی کے لحاظ سے اس قدر پانی کی مشکیں چہروادی گئیں کہ وقت پر آگ کے شراروں کی جگہ پانی کے فوارے چھوٹتے نظر آئیں۔

چاند بی بی اور سلطان بیگم جب اس مہم سے فارغ ہوئیں تو اب وہ دوسری نقب کے سراغ لگانے اور پتہ چلانے کے درپے ہوئیں لیکن افسوس کہ

ہنوز ان کی اس دوسری مہم کی تکمیل نہ ہوئی تھی کہ دفعۃً شہزادہ محمد مراد و غاغانہاں نے اپنی جہاز و فوجوار بہادروں اور قلعہ کشا سواروں کو قلعہ کے آرا دیئے اور مصویرین پر اچانک پل پڑنے کا حکم دیدیا۔ چاند بی بی کی بد قسمتی اور سچ پوچھنے تو خوش قسمتی سے اول اسی لقب میں آگ دی گئی جسکی تکمیل میں ابھی تک چاند بی بی محض ناکام تھی باروت میں ناگ لگتے ہی قلعہ کی ایک جانب کی دیوار ٹوٹا پچاس گز اڑ گئی۔ ایک عظیم الشان دھواں اُٹھا اور گرج کی سی آواز پیدا ہوئی جس سے سارا میدان گونج پڑا۔ نہایت وحشتناک زلزلہ افرصدا اور ہولناک تنگ باری اور مردہ اجسام کے آسمان پر اڑنے اور ہریکا یک گر پڑنے سے میدان جنگ ایک عجیب و وحشتناک منظر اور ہنگامہ محشر بن گیا تھا۔

دلیران جلاوت پیشہ اور بہادران جنگ جو اپنی خونریز تلواروں کو نیام سے کہنے ہوئے اس انتظار میں کھڑے تھے کہ کب قلعہ کا دوسرا بیج اور دیوار اڑے اور مصویرین پر حملہ کنال پل پڑیں لیکن جب انہیں معلوم ہوا کہ دوسری لقب آگ نہیں دیتی اور باروت کی جگہ پانی سے لبریز ہے تو عام طور پر تمام لشکر میں ایک تشویش اور تشویش کے ساتھ حیرت پیدا ہو گئی حملہ آور فوج میں جو چستی و چالاکی اور شجاعت و بہادری ہونی چاہئے تھی وہ اب ان لوگوں میں نام تک کو باقی نہ تھی ہر ایک شخص حیرت کا پتلا بنا ہوا دوسرے کو نکمٹا تھا اور اس کے چہرے سے تذبذب و ترزلزل کے آثار دکھائی دیتے تھے۔

چاند بی بی اور سلطان بیگم کے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا انہوں نے یہ فرصت غنیمت پا کر تجربہ کار اور جہاندیدہ بہادروں کی طرح برقع اڑا کر ایک ایک تلوار گلے میں سما ل کی اور ایک ایک ہاتھ میں لیکر بجلی کی طرح اس منہدم ماوردہ ہوئی دیوار ہر آہنچی بڑے بڑے ٹکٹے اور آہنی لٹے کڑیاں بانس

مٹی کے ٹوکے اور تھیلیاں جو احتیاطاً پشت پر سے ہیا کر لی گئی تھیں نہایت  
پہرتی اور چالاک سے دیوار کی بنیاد میں ڈالنی شروع کر دیں اور خود دیوار  
سے نیچے اتر کر تمام موجودہ مرد و عورتوں کی گودیوں کو زور و نقد سے پاٹ  
دیا اور سب نے ملکر ان کی آن میں قلعہ کی دیوار تعمیر کر دی۔ سلطان بگمہ نے  
فوراً چند چوٹی چوٹی توپیں اس مقام پر چڑھا دیں اور محاصرہ کی آمد و شد  
کا راستہ بند کر دیا۔

بہادر و غیلوں نے اگرچہ بہت سے پے در پے اور تناہٹ توڑ حملے کئے اور چند  
مرتبہ زبردست یوشیں استعمال میں لائی گئیں لیکن محصورین نے ایسی جٹنری  
اور جانبازی کے ساتھ ان کے حملے روکے اور کچھ بجھ جواب دے گئے کہ انہیں  
قلعہ کے نیچے تک آنا نصیب نہیں ہوا۔ چونکہ اس جنگ میں اکبری فوج کو ہتھا  
سے زیادہ نقصان پہنچا تھا اور بڑے بڑے بہادر کام میں آچکے تھے لہذا  
خانخاناں کو مجبوراً اپنی فوج کو پیچھے ہٹانا پڑا اور آج کی بقیہ لڑائی صل  
کے لئے اہٹا رکھی گئی۔

جب خسرو باغم سیاہ یعنی شاہ خاور مغربی گھاٹیوں میں چپ چپ کرادوبک  
دوبک کو آسمان کے نیلگوں قلعہ میں پناہ لے گیا اور طرفین کے لشکر اپنے  
اپنے مقامات میں جا اترے تو حوصلہ مند اور بلند نظر۔ چاند بی بی۔ بہادر  
سلطان بگم کو ہمراہ لئے ہوئے منہدم دیوار کے پاس پہنچی اور بہت سے  
چالاک دست گل کاروں اور ہوشیار معماروں اور بے شمار فردوروں کو  
فراہم کیا۔ یہ منظر بھی نہایت دلکش اور قابل دید تھا کہ دونوں شجاع خاتونیں  
دو پہل پیکر گہروں پر سواتھیں دونوں طرف تلواریں لٹک رہی تھیں نہ ہ  
بلکتر سے جم چپے ہوئے تھے چاروں طرف نیگڑوں دھویں دھار شعلیں

روشن ہیں اور بڑی جلدی اور غلبت کے ساتھ دیوار تعمیر ہو رہی تھی۔  
 سلطان بیگم کی بیدار مغزی اور ہوشیاری کی یہ پہلی فطرت ہے کہ اُس نے  
 اپنی ناقلا نہ تدبیر سے صحیح ہونے سے پیشتر اس طول طویل دیوار کو نہایت  
 استحکامی اور مضبوطی کے ساتھ اٹھالیا اور مردوروں کے دامن و ہاتھ  
 زر و نقد سے بہرہ دے حقیقت میں یہ ایک بڑے تعجب کی بات ہے کہ  
 بے سرو سامانی کی حالت میں صرف ایک رات میں سلطان بیگم نے پچاس  
 گز کی طویل دیوار جس کا آثار چار گز سے کم نہ تھا اس قدر اونچی تیار کر لی۔ یہ  
 سلطان بیگم ہی کی نچتہ کاری اور بہت و استقلال کا نتیجہ تھا جس کی اس عجلانہ  
 کارروائی اور پیشال بہت سے اسوقت تک تاریخی صنفی روشن ہیں۔

یہ نہایت حیرت کی بات ہے کہ سلطان بیگم نے باوجود اپنے محصور ہونے کے  
 بہادر مغلوں کے منہ پھیر دئے اور اب بڑے بڑے جوانمردوں کی طبیعتیں  
 اس ہم سے اچاٹ ہوتی چلیں لیکن افسوس کہ باوجود ایک معتد بہ زمانہ گزر  
 جانے کے بعد بھی اطراف و جوانب سے اُسکی کمک اور مدد پہنچنے کا کوئی  
 اثر ظاہر نہیں ہوا۔ یہاں غلہ اور دیگر ذخیرہ کم ہو گیا اور آلات حرب میں  
 کمی واقع ہوئی مجبور ہو کر چاند بی بی نے حکم دیا کہ چاندی کے گولے توپ  
 میں بھر کر شاہی لشکر پر پڑکائے جائیں اور جب تنگ حیات مستعار باقی  
 ہے فہم کو جواب دینے میں کوتاہی نہ کی جائے۔

اسی اثنا میں اس خبر نے انتشار پایا کہ ہیل خاں حبشی سلطان بیگم کے  
 باپ عادل شاہ کا نائب ستر سزاروں کے ساتھ محصورین کی امداد میں  
 بیجا پور سے روانہ ہو گیا ہے۔ اس خبر سے محصورین کو گو بہت کچھ تقویت ہوئی  
 مگر چونکہ چاند بی بی کے امر تنگ دل ہو گئے تھے اس لئے اس نے شہزادہ

محمد مراد کو صلح کا پیغام دیا۔ خود شہزادہ اور اس کی تمام فوج کی طبیعت پہلے ہی سے اچاٹ اور برخواستہ ہو چکی تھی اور روزمرہ کی کوشش و کشش سے محاصرہ اٹھانا ہی چاہتا تھا کہ صلح کا پیغام پہنچتے ہی جہٹ رہی ہو گیا اور باہم یہ امر قرار پایا کہ شاہی فوجیں قلعہ احمد نگر اور دولت آباد اور اس کے اطراف و جوانب سے محاصرہ آٹھائیس اور صوبہ برار اور بعض احمد آباد کے پرگنہ شہزادہ محمد مراد اپنے قبضہ و تصرف میں لے آئے۔

طرفین سے اس قرار داد پر معاہدہ ہو گیا اور شہزادہ محمد مراد اور خان خانان کے اژدہا پیکر جنٹلے صوبہ برار کی طرف اٹھ کھڑے ہوئے شہزادہ نے برار پر اپنا قبضہ کیا اور قصبہ شاہ پور کو آباد کر کے اسے اپنا پایہ تخت قرار دیا اور مختلف پرگنہ امر کی جاگیریں تفویض کئے۔ اور خود پیش و عشرت اور بڑی مقصدوری اور کامیابی کے ساتھ زندگی بسر کرنے لگا۔ لیکن سخت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ شہزادہ محمد مراد نے صوبہ برار میں صرف ایک سال اور چند مہینے ہی اس عیش و کامیابی میں زندگی بسر کی یہی ستنہ میں اس شاہی چمنستان کے نو ہلال سر و کونیلگوں آسمان کی جہان کشی کے نقاشے سے اہل کی تیر و نہ جبکہ نے جڑ سے اکھیر سے پھیکا۔

شہزادہ کے انتقال کے بعد پھر دکن کی سرحدوں پر باد اور طوفان سخت ہوا کہ اکثر گزشتہ دوروں کے اپنے تصرف میں سیوا و تہذیبی تہذیب کی بنیادوں پر طوفان نے تیزی سے برپا کر دیا۔ اکبر شاہ جیسا عظیم الصبح اور بڑا بہادریا ہی آتش فزاع و فساد ہی تھا۔ اکی طبع آزمائی کیلئے دکن کی یہ بغاوت کافی تھی جوں ہی اس قسم کی دہشتناک خبریں اکبر کے گوش گزار ہوئیں فوج کو فوراً کوچ کا حکم دیدیا۔ خان خانان کو جو شہزادہ دانیال کو خسر تھا۔ شہزادہ موصوف کی ہمراہی میں دکن کی مہم پر روانہ کیا۔



ستہ ہجری میں اکبر شاہ نے آگرہ اور دہلی اور پنجاب کے انتظام کی باگ ڈور ہی شہزادہ محمد سلیم عرف جہانگیر کے ہاتھ میں تفویض کی اور خود اسی ہزار خوشنوار اور جنگ جو سواروں کو ساتھ لیکر تھیر دکن کے لئے جہنڈے اونچے کئے چونکہ راجہ علی خاں کے قتل ہونے کے بعد اس کا بیٹا بہادر دل برٹان پور کا والی قرار دیا گیا تھا اور اکبر کی اطاعت و فرمان برداری جیسی اس کے باپ سے ظہور میں آتی تھی یہ اس میں کمی کرتا تھا اس لئے اکبر کا ارادہ ہوا کہ تا وقتیکہ قلعہ اسیر اور غاندیس کے ملک کو زیر و بر نہ کیا جاسکا اور اس پہاڑ کے ٹکڑے کو رستہ میں سے نہ اٹھایا جائے گا دوسرے پرگنوں کو سفر کرنا مشکل اور بہت مشکل ہو گا چنانچہ سب سے اول شہزادہ دانیال اور خان خاناں کے نام فرمان جاری ہوا کہ تم احمد نگر کی تسخیر میں کوشش کرو اور مابعد دولت قلعہ اسیر کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔

اس اکبری فرمان کے موصول ہوتے ہی شہزادہ دانیال اپنے تجربہ کار اور بہادر جنرل خان خاناں کو ساتھ لیکر احمد نگر کی طرف روانہ ہوا اور ایک نہایت عاجلانہ حرکت کے ساتھ قلعہ کی دیواروں کے نیچے پہنچ گیا خان خاناں نے بڑی سرعت اور چالاکی سے حسب موقع دمے تیار کرائے سرنگیں کھودیں اور جیب ان کاموں سے فارغ ہوا تو فوج کی ترتیب و آرہنگی کا حکم دیا۔

(دیکھنی) اس خبر کے سنتے ہی ٹڈیوں کے دل بادل کی طرح اطراف جنوب سے سمٹ سمٹ کر اُٹھ آئے اور قلعہ کی دیواروں کے پیچھے سے شاہی فوج پر گولے برسائے لگے خان خاناں جو اول نمبر کا دہرین اور پختہ کار سپاہی تھا اور جس نے اکبر کی وفاداری اور جان نثاری میں بڑے بڑے نازک اور اہم مواقع میں جان تک لڑا دی تھی اور اس کی ترقی و عروج کا نہایت

پناہ خواہ تھا اس نے اپنے بہادر لشکر کو قلعہ پر کیا رکی حملہ کرنے کا حکم دیا مگر چونکہ چاند بی بی نے بیگم سلطان کی رائے سے قلعہ کی استحکامی اور تحفظ کے بعد میدان جمع کر لئے تھے جو محاصرین حملہ آوروں کی مجبوری قوت سے بڑی سکت نہ پاسکتے تھے۔ لہذا دلیر و بہادر خاندان گوا اپنے اس ارادہ پر کامیاب نہیں ہوا لیکن پر بھی مصورین کی گولہ باری کا ترکی یہ ترکی جواب میں وقت پر دیتا رہا۔

شعبہ اودہ انیال کی شان و شوکت اور خاندان کی پر مغز اور مافلانہ تدبیر اہل قلعہ کی دلیری و بیباکی کے سامنے کچھ کام نہ آئیں اور انجام کار انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن خاندان ایسے کچھ دل کا آدمی نہ تھا کہ ان خفیت سی ناکامیوں سے بردل ہو جاتا اس نے بڑی بے جگری سے اول یہ کام کیا کہ اپنے خاص ارکان فوج اور تجربہ کار جنگ آزمودہ افسروں کو ساتھ لیکر قلعہ کی دیوار کے گرد گشت لگایا اور کافی اندازہ کے ساتھ ایک نہر دست سفاک بفرل کی طرح گرداوری کی۔

غرض کہ ایک عرصہ تک خاندان اس موقع کے حاصل کرنے کی کوشش و تدبیر میں مصروف رہا کہ قلعہ کی دیوار کا کوئی ایسا حصہ اس کے قابو میں آجائے جس سے نہایت خفیہ طور پر آسانی کے ساتھ اسکی فوج قلعہ میں داخل ہو جائے مگر افسوس کہ اس ارادہ میں بھی اسے سراسر ناکامیابی ہوئی اور اس کی وہ نام کوششیں جو اس خیال کی تکمیل میں روزانہ عمل میں لاتا تھا بالکل بے سود جاتی تھیں بلکہ اب اسے اس بات کا خوف تھا کہ محصورین نے کوئی خاص ہو کے کی کارروائی کا منصوبہ نہ گا نہ بنا جو ممکن ہے کہ کسی وقت سخت ترین خفاشاہی فیج پر چاہے لاریں اور ٹولوں کے قیج کو نزل کریں۔

شہنشاہ دانیال اور بہادر قاتحانوں کو ہم تر و دستانیں چھوڑ کر قلعہ اسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب اکبر نے اپنی عنان توجہ یرمان پور کی طرف پھیری تو یہاں پہنچ کر قلعہ کشا اور تجربہ کار امرا کو شہر کے محاصرہ اور حاجب و مددگاروں کے تیار کرنے کا حکم دیا قلعہ اسیر کے بہادروں نے اپنی بے دہش شجاعت اور بیخوف جرأت کے خوب خوب جوہر دکھائے اور قلعہ اسیر کی محافطت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

بہادر مغز اکبر نے ایک عظیم الشان فوج سے یرمان پور پر کی متواتر اور پے درپے حملے کئے جن کا جواب اگرچہ سرداران یرمان پور نے بھی میں وقت پر دیا مگر آخر کار اکبر کی بیدار مغزی اور پختہ کاری کے سامنے ان کی جرأت و دلیری کچھ کلام نہ آئی اسی طرح اگرچہ کبھی کبھی بہادر دل والی ہرانا پور نے اپنی پوری جمعیت اور کامل طاقت کے ساتھ اکبری فوجوں سے سخت بیجگری اور بیباکی سے مقابلہ کیا لیکن تاہم اُسے ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی اور ان بار بار کی شکستوں اور متواتر ناکامیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ یرمان پور کی فوجی قوت کا تمام انتظام بالکل متزلزل ہو گیا اور عام طور سے ایک عجیب کھلبلی یرمان پور میں مچ گئی۔

تاہم ایک مقام پر بہادر دل نے شہنشاہی فوج کو جو دریائی امور کی طرح بیخوف و خطر قلعہ کو رخ کئے ہوئے بڑھتی چلی جاتی تھی بڑی مہر گیری اور نہایت استحکام کے ساتھ روکنا چاہا اور اس معرکہ میں بڑی سخت گہسان کی لڑائی ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر دل کی اکثر فوج کا حصہ غلیوں کی غارتگری و تاراج سے قتل کیا گیا اور بعض سرداران یرمان پور گرفتار ہو گئے۔ بہادر دل کو اس موقع پر ایسی سخت شکست ہوئی کہ اُس کے آگے ہوش و حواس جلتے رہے

سچا خیر خواہ تھا اس نے اپنے بہادر لشکر کو قلعہ پر کیا باری حملہ کرنے کا حکم دیا مگر چونکہ پانڈی بی نے بیگم سلطان کی رائے سے قلعہ کی استحکامی اور تحفظ کے لئے بہیمانہ جمع کر لئے تھے جو محاصرین حملہ آوروں کی مجموعی قوت سے بڑی کمزور نہ پائے جاسکتے تھے۔ لہذا دلیر و بہادر خاتناں گوا اپنے اس ارادہ پر کامیاب نہیں ہو سکیں۔ پھر بھی محصورین کی گولہ باری کا ترکی بہ ترکی جواب میں وقت پر دیتا رہا۔

شبہاروہ دانیال کی شان و شوکت اور خاتناں کی پر مغز اور مافلانہ تدبیر اہل قلعہ کی دلیری و بیباکی کے سامنے کچھ کام نہ آئیں اور انجام کار انہیں سخت ناکامی کا سامنا کرنا پڑا لیکن خاتناں ایسے کچھ دل کا آدمی نہ تھا کہ ان خفیت سی ناکامیوں سے ہر ذل ہو جاتا اس نے بڑی بے جگری سے اول یہ کام کیا کہ اپنے خاص ارکان فوج اور تجربہ کار جنگ آزمودہ افسروں کو ساتھ لیکر قلعہ کی دیوار کے گرد گشت لگایا اور کافی اندازہ کے ساتھ ایک ہر دست سفاک جنرل کی طرح گرداوری کی۔

غرض کہ ایک عرصہ تک خاتناں اس موقع کے حاصل کرنے کی کوشش و تدبیر میں مصروف رہا کہ قلعہ کی دیوار کا کوئی ایسا حصہ اس کے قابو میں آجائے جس سے نہایت خفیہ طور پر آسانی کے ساتھ اسکی فوج قلعہ میں داخل ہو جائے مگر افسوس کہ اس ارادہ میں بھی اسے سراسر ناکامیابی ہوئی اور اس کی وہ نام کوششیں جو اس خیال کی تکمیل میں روزانہ عمل میں لاتا تھا بالکل بے سود جاتی تھیں بلکہ اب اسے اس بات کا خوف تھا کہ محصورین نے کوئی خاص ہو کے کی کارروائی کا منصوبہ نہ گمانہا ہو ممکن ہے کہ کسی وقت سختیوں و خدائوں کی فوج پر چاہے ماریں اور غولوں کر کے قلعہ کو نذر کر دیں۔

شہزادہ دانیال اور بہادر قاتخاں کو ہم ترہ و اس میں چھوڑ کر قلعہ اسیر کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔ جب اکبر نے اپنی عنان توجہ یرمان پور کی طرف پھیری تو یہاں پہنچ کر قلعہ کشا اور تجربہ کار امر اکو شہر کے محاصرہ اور حاجب دھندلوں کے تیار کرنے کا حکم دیا قلعہ اسیر کے بہادروں نے اپنی بے دہش شجاعت اور بیخوف جرأت کے خوب خوب جوہر دکھائے اور قلعہ اسیر کی محافظت میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا۔

بہادر مغز اکبر نے ایک عظیم الشان فوج سے یرمان پور پر کی متواتر اور پے درپے حملے کئے جن کا جواب اگرچہ سرداران یرمان پور نے بھی میں وقت پر دیا مگر آخر کار اکبر کی بیدار مغزی اور بختہ کاری کے سامنے ان کی جرأت و دلیری کچھ کام نہ آئی اسی طرح اگرچہ کبھی کبھی بہادر دل والی ہرمان پور نے اپنی پوری جمعیت اور کامل طاقت کے ساتھ اکبری فوجوں سے سخت جنگی اور بیباکی سے مقابلہ کیا لیکن تاہم اُسے ہر دفعہ ناکامیابی ہوئی اور ان بار بار کی شکستوں اور متواتر ناکامیوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ یرمان پور کی فوجی قوت کا تمام انتظام بالکل متزلزل ہو گیا اور عام طور سے ایک عجیب کہیلی یرمان پور میں مچ گئی۔

تاہم ایک مقام پر بہادر دل نے شہنشاہی فوج کو جو دریائی امور کی طرح بیخوف و خطر قلعہ کو رخ کئے ہوئے بڑھتی چلی جاتی تھی بڑی سرگرمی اور نہایت استحکام کے ساتھ روکنا چاہا اور اس معرکہ میں بڑی سخت گہسان کی لڑائی ہوئی جس کا انجام یہ ہوا کہ بہادر دل کی اکثر فوج کا حصہ منیلوں کی خونی تلواروں سے قتل کیا گیا اور بعض سرطان یرمان پور گرفتار ہو گئے۔ بہادر دل کو اس موقع پر ایسی سخت شکست ہوئی کہ اس کے آئے ہوئے دھواں جلتے ہوئے

اس وقت اُسے یخراش کے اور کچھ کرتے دہرتے بن ہی نہیں آیا کہ معرکہ چھوڑ کر قلعہ اسامیر میں جا چھپا جسے وہ مخالفت سے امان پانے کے لئے ایک نہایت ہی زبردست اور مستحکم مقام سمجھتا تھا شہنشاہ اکبر جسے نہایت سہل طور پر اپنے فتوحات کے مکمل ہو جانیکا کافی یقین ہو گیا تھا اور جس کی ہمراہی خوشخوار فوج کا ایک ایک بہادر شیر کی طرح دشمنوں کے شکار کے لئے سپرد رہا تھا بڑی خوشخواری اور شمشیر زنی سے ہر شخص پر اپنا رعب بٹھاتا اور اپنی فتوحات کو نہایت سرگرمی کے ساتھ پورا کرتا آگے بڑھا جاتا تھا جب قلعہ کی دیوار کے نیچے پہنچا تو اس تدبیر و کوشش میں مصروف ہوا کہ کس موقع اور کس تدبیر سے داخل ہونا میسر ہو سکتا ہے اگرچہ اس بارہیں الوالاعزم اکبر اور اُس کے تجربہ کار ارکان نے بہت کچھ عقل پر زور دیا مگر کوئی تدبیر کارآمد نہ بنیچہ ثابت نہیں ہوئی۔

ادھر جرب بہادر دل اپنے سرداروں اور قلعہ فوج کو ساتھ لیکر قلعہ میں محصور اور پناہ گزین ہوا اور اس اطمینان پر کہ اس قلعہ پر زبردست سے زبردست مخالفت کو بھی کسی حال میں فتح دی اور کامیابی نہیں ہو سکتی طرح طرح کے ہمو دلعب اور بیہودہ اشتغال میں مصروف ہو گیا۔ کبھی کبھی قلعہ کے مورچوں سے دس بیس گولے برسا دئے اور خاموش بیٹھ گیا اسے اس بات کا بالکل خیال نہ تھا کہ اپنے ملک کو دشمنوں کے حملوں اور غارتگری سے بچائے نہ اس طرف ذرا توجہ تھی کہ ایسے سفاک و ہیاک حملہ آوروں کو جس طرح بن پڑے قلعہ کی دیوار کے متصل جمنے نہ دے آخر اس حالت کا وہ نتیجہ ہوا جو ہمارے آئندہ بیان سے ظاہر ہو گا محاصرہ کا زمانہ جوں جوں طول کھینچتا جاتا تھا محاصرین اور حملہ آوروں کا گروہ قلعہ پر قبضہ کر کے سے نا امید ہوتا جاتا تھا خود اکبر اور

اور اُس کے فوجی سردار رات رات بہر اس بابت کی کوشش میں مصروف رہتے کہ صبح کو یوں قلعہ میں داخل ہو جائیں گے اور اس تدبیر سے دروازہ سہا کرینگے لیکن دن ہوتے ہی اُس کے یہ تمام منصوبے محض غیر نتیجہ اور بیکار ثابت ہوتے تھے کیونکہ قلعہ پر جب ہی قبضہ ممکن تھا کہ حملہ آور فوج اُس کے کسی حصہ کو ہمار کر دیتی یا اُس کے مستحکم دروازوں میں سے کوئی دروازہ توڑ دیا جاتا حالانکہ یہ دونوں باتیں ناممکن تھیں۔ آخر اکبر کے ذہن میں یہ خیال نہایت پختگی اور یقین کے ساتھ پیدا ہو گیا کہ پناہ گزینوں کی تعداد کو زیادہ نہیں ہے لیکن رسد کی فراہمی اور بے شمار سامان خوراک کے جمع ہونے سے نہیں کسی قسم کی تکلیف نہیں پہنچ سکتی اور جب تک یہ نہ ہوگا یا شہنشاہان قلعہ نہ ان امان مانگیں گے نہ باہر خٹک کر محاصرہ فوج کے مقابلہ میں آئیں گے لہذا اُنکا مصمم ارادہ ہو گیا کہ کم سے کم دو برس تک شہر کا محاصرہ کیا جائے اگر اس کے بعد بھی ناکامیابی ہوئی تو محاصرہ اُتار کر دار السلطنت میں اس چلا جانا چاہیے۔

خانی خاں صاحب منتخب الباب کا بیان ہے کہ اگرچہ یہ بات شہرت کے ساتھ عام دغاس کی زبان سے سنی جاتی ہے کہ اس محاصرہ نے قریباً چار پانچ سال تک طول کھینچا لیکن متعبر تواریخ سے جہاں تک تحقیق ہو سکتی ہے کہ شہنشاہ اکبر قلعہ اسیر کے محاصرہ میں رشتہ میں مشغول ہوا اور شہنشاہ میں قلعہ تغیر کیا گیا اس حساب سے چار سال تک قلعہ اسیر کا محاصرہ قائم رہا۔

یہ باہل صحیح اور لم امر ہے کہ جب کسی ملک و قوم کی بربادی و تباہی کا وقت آجاتا ہے تو اس کے ویسے ہی اسباب جمع ہو جاتے ہیں اور اُس کے سامنے بنے بنائے کام دفعتاً بگڑ جاتے ہیں۔ برہان پور کا والی ببادل بڑے اطمینان کے ساتھ محصور تھا اس کے پاس علاوہ ان سامان رسد

کے بوفیہ طور سے برابر پہنچتے رہتے تھے جن زہریں تک کے واسطے غلہ کا کافی ذخیرہ موجود تھا جو بلحاظ دورانہشی ایک مسلسل زمانہ سے جمع کیا گیا تھا نہ انکی شانِ بنیہ ذخیرہیں کیڑا لگ گیا اور اس میں اس وجہ تعفن پیدا ہو گئی جسے آدمی تو الگ رہے جانور بھی نہ کھا سکتے تھے۔

یہ وجہ ہوئی بہادر دل کی بہت وصلگی اور مغلوب ہونے کی۔ اسی اثنا میں تمام اطراف و جانب میں اس خبر نے نہایت شہرت کے ساتھ اشاعت پائی کہ خانخانان کی بے دہشک شجاعت اور مدیم المثال قہمندی سے قلعہ احمد نگر مفتوح و مسخر ہو گیا جس سے بہادر دل کے آئے ہوش اڑ گئے اور اب اسے بجز اس کے اور کچھ بن نہ آیا کہ شہنشاہ اکبر کے حاشیہ نشینوں کے آگے اطاعت و فرمانبرداری کی گردن تسلیم کر دے اور اس پر شوکتِ سلطنت کے ماتحتی میں رہنے کا قہر حاصل کرے چنانچہ اس کی طرف سے ان واماں اور پناہ گزینی کی تحریک ہوئی اور اکبر کی طرف سے فوراً منظور کر لی گئی۔ ہمد اماں کے مستحکم و مضبوط ہو جانے کے بعد قلعہ اسامیر دولت قاہرہ کے بھی خواہوں کے دستِ تصرف میں آیا اور سونے روپے جو اہرات کے کثیر المقدار خزانے و دینے قبضے میں آئے اور فاروقی چنڈے کی جگہ علم اکبری کا شاندار پہرہ پہرایا ہو اس فرمائے پہرنے لگا۔

اس طرف شاندار و دانیال اور اس کا جہل خانہ خانان قلعہ احمد نگر کی ہمہ سر کر کے اکبر سے آئے۔ شہنشاہ اکبر نے اس فتح کی خوشی میں خاص قلعہ اسامیر میں ایک عظیم الشان شامانہ جلسہ کیا اور اپنے جان نثار اور بہادر جہریوں کو انعام و اکرام سے سرفراز فرمایا بالخصوص شہزادہ دانیال کو بیشمار و کثیر المقدار جو اہرات اور قلعہ و جنس و دیگر متاز کیا۔



جب اکبر کی فتح و فیروزی اور اقبال و دولت کے نسیم کے خوش آئند جہر کے  
اطراف ہندوستان خصوصاً دکن میں نہایت نرمی اور ممانعت کے ساتھ چلنے  
لگے تو ابراہیم عادل شاہ حکمران بیجا پور نے فتح کی مبارکبادی کے متعلق ایک  
تہنیت نامہ اور تہنیت نامہ کے ساتھ بہت سے عجیب و نادر تحفے شہنشاہ  
اکبر کی خدمت میں روانہ کئے اور ساتھ ہی یہ بھی التماس کی کہ میں اپنے پارہ  
جگر بیگم سلطان کو شہزادہ دانیال کی خدمت کے لئے آپ کے حضور میں ہدیہ  
پیش کرتا ہوں۔

گر قبول افتد زبے عز و شرف

پہلے پوچھئے تو میرا یہ ناچیز تحفہ اس قابل نہیں کہ شہزادہ دانیال کی خدمت میں  
رہنے کی امتیازیت حاصل کر سکے۔ لیکن اگر نظر غریب و بی چشم اغماض سے  
یہ ہدیہ قبول کیا جائے تو حضور کی فیاضی اور میں من اخلاقی ہے اور اگر وہ اس  
کیا جائے تو واقعہ نفس الامری ہے۔

ابوالعزم اکبر نے ابراہیم عادل شاہ کے تمام پیش کردہ تحفے بڑی خوشی سے  
قبول کئے اور جمال الدین عین کو جو اکبری دربار میں ایک بڑا معزز اور ممتاز آدمی  
گنا جاتا تھا بیگم سلطان کے لئے کا حکم دیدیا اسی اشار میں شاہزادہ محمد سلیم  
کی خویش اور فساد انگیزی کی خبر شہنشاہ کی خدمت میں معروض ہوئی اور بیان  
کیا گیا کہ جہانگیر نے دارالسلطنت میں ایک بہت بڑا حکم عمار کیا ہے  
اس وحشت ناک خبر نے اکبر کو اس درجہ پریشان کیا کہ وہ بیگم سلطان کے آئینہ کا  
بھی انتقاد نہ کر سکا شہزادہ دانیال کو خانخانان کے سپرد کر کے اور ان ملکوں  
کے نسق و انتظام کی بابت ایک اجمالی فہرست تیار کر کے جوئے نے اس  
کے تعریف میں آئے تھے شہزادہ دانیال کے حوالہ کی اور ان دونوں کو دکن

میں چوڑ کر خود عمان توجہ آگرہ کی طرف پھیری۔  
 بیگم سلطان کی زندگی کے وہ واقعات جو اس زمانہ کے بعد کے حالات  
 سے تعلق رکھتے ہیں اس درجہ محدود ہیں کہ ہم اس کی لائف کا پورا خاکہ نہیں  
 کھینچ سکتے لیکن تاہم مختلف واقعات سے جو اس کے حالات ہمیں تحقیق  
 ہوئے ہیں وہ لکھے جاتے ہیں۔

اگرچہ مستند تاریخی شہادت کی رو سے یہ کہنا بہت مشکل ہے کہ بیگم سلطان  
 شہزادہ دانیال کے پاس کب آئی اور اس کا عقد کس زمانہ میں ہوا اور عقد  
 کے بعد کیا کیا انقلاب آئے لیکن اس میں ذرا بھی مشغہ نہیں کہ اب ہم  
 اسے شہزادہ دانیال کے پہلو میں بڑی شان و شوکت کے ساتھ بیٹھا ہوا  
 دیکھتے ہیں۔ بیگم سلطان علاء جن و جمال اور ظاہری خوبصورتی کے باطنی  
 حسن یعنی علم و فضل اور شجاعت و دلیری میں خاص امتیاز رکھتی تھی انشا  
 پر داری لطیفہ نبی حاضر جوابی میں ضرب المثل تھی غرضکہ دنیاوی اعزاز  
 کے لئے کوئی ایسی صفت نہ تھی جو فطرت نے اس میں اُٹھا رکھی ہو اور  
 غالباً ہی اوصاف اس قسم کے تھے جن پر شہزادہ دانیال بیسیا تیز پوش  
 اور ذی وجاہت شخص اپنی جان قربان کرتا تھا اور بیگم سلطان کی بات  
 بات پر جان نثاری کے لئے موجود رہتا تھا۔

## بی بی بانی

یہ عقیقہ پاکہ من اور بیوی خاتون شیر شاہ کی بیٹی اور سلیم شاہ کی چاہتی  
 بیوی ہے اس کی دنیاوی اعزاز و جاہ اور مذہبی تقدس میں اس سے  
 زیادہ اور کیا کہا جاسکتا ہے کہ شیر شاہ جیسے لڑاکو اور بہادر و خوشنواز

بادشاہ کی بیٹی اور سلیم شاہ جیسے خوزینروالوالعزم کی عزیز بیگم ہے جس کے سامنے ایک دراز زمانہ تک نامور و مشہور سلاطین کی گزریں چکی تھیں اور تمام قوم و ملک میں بڑی وقعت کی نگاہ سے دیکھی جاتی تھی۔

بی بی بانی کے خیر شاہ کی بیٹی اور سلیم شاہ کی بیگم ہونے میں تمام موزن کا اتفاق ہے لیکن اس کے اس مشہور و معروف نام میں بہت بڑا اختلاف ہے تاریخ وادودی میں لکھا ہے کہ اس خاتون کا نام ماہی بانی تھا۔ تاریخ فرشتہ والا افغانوں کی سلطنت کے واقعات کہتے ہوئے کہتا ہے کہ اس کا نام صرف بانی تھا لیکن طبعات اکبر شاہی میں جو تمام مستند مورخین کی جولا نگاہ ہے بیان کیا گیا ہے کہ سلیم شاہ کی منکوحہ بیگم کا نام جس کے بطن سے فیروز خاں نام لڑکا پیدا ہوا اور جسے اس کے حقیقی ماموں مبارز خاں نے دولت و حکومت کے داعیہ میں نہایت یرمبی اور سفاکی سے قتل کر ڈالا بانی تھا۔ یہی مضمون باد نے تغیر صاحب منتخب التواریخ نے لکھا ہے لیکن منتخب کے ایک اہلی نسخہ میں مانی دوسرے میں بانی لکھا ہوا ہے۔ بہر حال اس میں کوئی شک نہیں کہ اس باعصت و عفت آب خاتون کا نام ہائی بی بی یا ماہی بی بی تھا کیونکہ باقی صورتوں میں صرف نقاط کا فرق و تفاوت ہے اور تقاطع کا کم و بیش ہونا ایک معمولی بات ہے۔ قبل اس کے کہ میں بانی بی بی کی تاریخی زندگی کے واقعات لکھوں شائقین کی بصیرت و دلچسپی کے لئے مناسب ہو گا کہ سلیم شاہ اور اس کے باپ خیر شاہ کی لائف کا سرسری اور اجمالاً خاکہ کہیں کہیں جس سے اس کا حسب و نسب اور معمولی درجہ کا آدمی ہو کر ایسے والوالعزم مرتبہ پر پہنچنے کی کیفیت معلوم ہو سکتی ہے۔ گو میں اس کا مختصر

ذکر طبلہ دوم میں کر آیا ہوں مگر وضاحت کے ساتھ اس موقع پر ضروری ہو  
معرز ناظرین سے امید ہے کہ وہ غایب اجٹ کا الزام نہ دینگے اور اس  
دلچسپ واقعہ کو شوق دیکھے پڑیں گے۔

شیر شاہ کا اصلی نام فرید اور اس کے باپ کا نام جن تھا جو وہ کے  
مشہور افغانوں میں سے شمار کیا جاتا تھا اور قومی تعلق سولہ کے ساتھ کہتا  
تھا گردش فکلی اور افلاس جن کو سلطان بہلول جن کے قدیم وطن سے  
ہندوستان میں کہنچ لایا تھا۔ موخین کو تسلیم ہے کہ جن علاوہ دیگر فنون  
کے شجاعت و بہادری میں فردا در یگانہ روزگار تھا اور اپنے زمانہ میں  
ایک بہت بڑا دشمن اور عقل کا پتلا مانا جاتا تھا۔ اس نے ہندوستان  
میں اگرچہ سال تک قلعہ فیروزہ اور چند روز تک نارنول میں زندگی بسر  
کی انجام کار سلطان سکندر لودی کے عہد میں جو نیپور میں پہنچا اور جمال  
کی ملازمت اختیار کی جو سکندر کے امرا میں ایک بڑا نامور اور مشہور امیر  
تھا۔ یہاں پہنچ کر اس کے اقبال کا ستارہ چمکا اور اپنی جن خدمات اور  
خوش آئندہ کارگزاریوں کے صلہ میں یہ مرتبہ پایا کہ جمال خاں نے  
پانسو سو اس کے نامزد کر کے پرگنہ سہسرا نو اور خواص پور میں روانہ کیا  
اور ایک معقول جاگیر اسکی تفویض میں کر دی۔

اصل میں جن کے ساتھ لڑکے تھے فرید و نظام تو ایک شریف خاندان کی  
اہل عورت کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جو معرز افغانوں میں وقعت کی  
لگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور پانچ لڑکے جن میں سب سے بڑا سلیمان تھا  
مختلف لونڈیوں کے بطن سے پیدا ہوئے تھے جن سلیمان کی ماں کو  
انتہائی زیادہ چاہتا تھا اور اس لونڈی کی بے انتہا محبت کی وجہ سے

فرید بہ نسبت نوڈی بچوں کے حسن کی نگاہیں کچھ بھی وقعت نہ رکھتا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غیور فرید باپ کی رفاقت کو خدا حافظ کہہ کر جمال خاں کے پاس جونپور میں پہنچا اور وہیں اپنی زندگی بسر کرنے لگا ہر چند کہ حسن نے جمال خاں تیز فرید کو بہت سے خطوط لکھے اور اپنے پاس بلانے میں اتہا سے زیادہ کوشش کی لیکن فرید باپ کی سردہری سے کچھ ایسا برداشتہ ہو گیا تھا کہ اب اس نے خواص پور کی طرف بھول کر ہی رخ کرنے کا ارادہ نہیں کیا اور لکھنے پڑھنے میں اپنی اوقات صرف کرنے لگا صرف و نحو اور فقہ میں کچھ ملکہ حاصل کر کے افغانوں میں فضل الفضلا مشہور ہو گیا۔ حسن کو جب اپنے نوجوان اور قابل لڑکے کی خداداد قابلیت اور فطری لیاقت کی اطلاع ہوئی تو خود جونپور میں آیا اور نہایت اغراز و افتخار کے ساتھ اپنے ہمراہ لے گیا سہسرا نوا اور خواص پور کے دونوں پرگنہ اس کے حوالہ کئے اور احترام و وقار میں کوئی دقیقہ اٹھانے کا فرید ایک مدت تک ان دونوں پرگنوں پر قابض رہا اور نہایت بیدار مغزی و دور اندیشی اور بصفت پسندی کے ساتھ اپنے فرائض منصبی کو انجام دیتا رہا حسن کی یہ کارروائی سلیمان کی ماں پر نہایت شاق و ناگوار گذری اور اس نے فرید کی مغربی اور بجائے اس کے سلیمان کی تقرری پر حد سے زیادہ زور دیا۔ چونکہ حسن اس بات کو اچھی طرح سمجھے ہوئے تھا کہ فرید کو جاگیر سے علیحدہ کرنا اور اسکی جگہ سلیمان کو مقرر کرنا ایک بڑی اہم اور خطرناک بات ہے اور مفسدہ انگیزی کے علاوہ مالی مفرت کا بہت کچھ اندیشہ ہے اس لئے وہ سلیمان کی ماں کو مبلغ اٹھ ہجیر چاند روز کے لئے خاموش کر دینا اور اسکی دجوبی و خاطر داری میں ہر وقت

مستعد و سرگرم رہتا اتفاق سے فرید کو بھی ان باتوں پر اطلاع ہوئی اور  
 مصلحت وقت نے اسے اس عہدہ کو خیر باد کرنے پر مجبور کر دیا۔ جن نے  
 سلیمان کو اس منصب سے ممتاز کیا اور فرید کی تسلی و دلجوئی میں حد سے  
 زیادہ کوشش کی لیکن فرید نے باپ کے پاس رہنا مناسب نہ جانا  
 اور از روہ خاطر ہو کر دوسری دفعہ باپ سے جدائی گوارا کی اور دولت خاں  
 کی خدمت میں پہنچ کر جو سلطان ابراہیم کی حکومت کا رکن اعظم تھا ملازمت  
 اختیار کی فرید سے چند ہی روز میں وہ کار نمایاں ثابت ہوئے کہ دولت خاں  
 اس کی جن خدمات اور فرائض منصبی کی انجام دہی پر عیش کر گیا اور اس کا  
 ایک ایک کام وقت کی نگاہ سے دیکھنے لگا جب فرید نے دولت خاں  
 کو اپنی طرف بہت کچھ مائل پایا تو سوتیلی ماں کی عداوت و نفرت کی سبب  
 ہے باپ کی بے توجہی اور ظلم کی شکایت بیان کی اور اگرچہ اس نے  
 اس طرف بہت کچھ زور دیا کہ جس طرح ممکن ہو باپ کی جاگیر پر قبضہ  
 حاصل کرے لیکن جن کی زندگی میں وہ اپنے اس مقصد پر کامیاب  
 نہ ہو سکا۔ جن کے انتقال کر جانے کے بعد دولت خاں کی انتہا درجہ  
 کی کوششوں نے پہرے اس منصب پر پہنچایا اور اب وہ بلا شرکت  
 غیرے اپنے باپ کی جاگیر پر قابض ہو گیا۔

فرید نے ان برائیوں کی باگ اٹھ میں لیتے ہی سب سے اول یہ کام کیا  
 کہ سلیمان اور اسکے بھائیوں کو دہاں سے نکال دیا اور اپنے جان نثاروں  
 اور سچے بھائیوں کے منصب افزائی اور ترقی میں توجہ مبذول کی۔ ہر  
 چند کہ سلیمان نے بھی بہت سے اس قسم کے وسائل و ذرائع جمع کئے  
 کہ فرید کے قبضہ سے جاگیر نکال لیجائے لیکن سلطان ابراہیم کے عہد ترقی

میں اسے یہ بات یسرنہ ہوں اور جہاں تک اس نے ان کو مشغول کر رکھی  
 کی سخت ناکامی آہٹانی اسی اثنا میں محمد بابر شاہ کی کشتورستانی کی گرم گرم خبریں  
 ہنایت خوفناکی کے ساتھ افغانوں کے کانوں میں پڑیں اور اس کے جونی  
 جہنڈے اطراف ہندوستان میں خطرناکی اور ہیبت کا رنگ ساتھ لئے  
 ہوئے ہو میں جھومتے نظر آئے سلطنت اعظم کا روزافروز عروج منزل  
 کے ساتھ بدلنے لگا اور ادا باروزوال کا خاتمہ افغانوں کے نام پر ہوتے  
 دکھائی دیا۔ فرید بلحاظ دورانہ لشی و عاقبت مینی اپنی جاگیر سے علیحدہ ہو کر  
 بہادر خاں لومانی کی خدمت میں پہنچا اور اُنکی فوج میں بہرتی ہو گیا۔

بہادر خاں لومانی جسے آئندہ اپنے لئے سلطان محمد کا خطاب تجویز کیا تھا  
 ان دونوں صوبہ بہار میں اُنکی علم سلطنت کے پہرے بڑے بڑے زور شور  
 سے ہوا میں لہریں لے رہے تھے اور پر رعب و شوکت کے ہمارے ان  
 اطراف کے تمام جانبازوں اور بہادروں کے دلوں میں گڑے ہوئے تھے  
 فرید نے سلطان محمد کی فوج میں بہرتی ہو کر بڑے بڑے خطرناک معرکوں میں  
 میں اپنی بے دھڑک شجاعت اور بخوف دلیری کے وہ جوہر دکھائے کہ سلطان  
 جیسے شیریں اور بڑا کو بادشاہ کا دل ایک بے اختیاری جوش کے ساتھ ہلکا  
 فریقہ ہو گیا اور اس نے بڑی خوشی کے ساتھ اسے اپنی فوج کے لشکر  
 کے جہد سے ممتاز کیا۔ ایک دن کا ذکر ہے کہ سلطان محمد کو شکار گاہوں  
 ایک شیر سے مقابلہ کرنے کا اتفاق پڑا۔ شیر نے ایک بڑی غضبناکی کے  
 ساتھ سلطان محمد اور اس کے ساتھیوں پر حملہ کیا قریب تھا کہ تمام لوگ شیر  
 کے پنجسہ قہر میں گرفتار ہو جائیں کہ فرید نے ایک ہنایت چبکی سے  
 عاجلانہ حرکت کی اور تلوار کی پیل ہی غریب میں اسکا کام تمام کر دیا۔

سلطان محمد نے فرید کی اس بے مثل شجاعت اور مدیم المثال جوانمردی کے  
 وزنی الفاظ سے داد دی اور ایک قیمتی خلعت عطا کر کے شیر خاں کے  
 خطاب سے معزز و ممتاز کیا اور نہ صرف اسی اکرام و اعزاز پر اکتفا کیا بلکہ  
 اپنے بڑے فرزند جلال خاں کو وکیل سلطنت مقرر کر کے اُسے اُس کی  
 حکومت میں روانہ کیا اور اُس کی موروثی جاگیر کے علاوہ ایک اور نہایت  
 زرخیز جاگیر اُس کے قبضہ میں دی۔ چند روز کے بعد شیر خاں نے نصرت  
 حاصل کی اور اپنی جاگیر کا بڑی خوبی و صفائی سے انتظام کیا اور زمانہ نصرت  
 سے کچھ زیادہ مقیم رہا۔ یہاں سلطان محمد نے شیر خاں کو یاد کیا اور اُس کے  
 تاخیر کرنے کی شکایت زبان پر لایا۔ محمد خاں جو چونپور کا ایک نامور حکم  
 تھا اور مدت سے سلیمان کے بار احسان نے اُس کی گردن نیچے کر رکھی  
 تھی ایک عرصہ سے وقت کا منتظر تھا یہ موقع اُس کے حق میں نہایت  
 مبارک تھا شیر خاں کی اوباشی طرز بھائیوں پر ناخفی ظلم کرنے کی حکایت  
 حقداروں کو ارشاد پدیری سے محروم رکھنے کا قصہ کچھ ایسے پُر اثر و زور  
 کے الفاظ میں شکایتاً بیان کیا جن کا اثر سلطان محمد کے دل میں بجلی  
 کی طرح دوڑ گیا۔

سلطان محمد شیر خاں کی ان نامناسب اور نفرت انگیز بیہودگیوں کو سن کر  
 جنہیں درحقیقت بہت سی بے اہل شکایتوں کا حاسدانہ روغن چرما کر چمکایا  
 گیا تھا ایسا برا فروختہ ہوا کہ فوراً سلیمان کی مدد میں ایک کافی جمعیت روانہ  
 کی اور شیر خاں کو دھکی کے نفظوں میں لکھا کہ اپنی تمام جاگیر کو برادانہ تقسیم  
 کر دو۔ لیکن تھا کہ شیر خاں کے دل پر اس فرمان کا بہت کچھ اثر پڑتا لیکن  
 اُس نے بے دھڑک ہو کر صاف طور پر جواب دیدیا کہ یہ روہ کی حکومت



دولایت نہیں بنے جس کے حصے بخرے لگائے جائیں اور تروکہ زرو مال نہیں ہے جس میں حقوق ارت جاری کئے جائیں۔ سلاطین و تاجداروں کی ملازمت میں جو اعزاز و انعام حاصل ہوتا ہے اس کا دار مدار خوش قسمتی و اقبال مندی پر ہوا کرتا ہے۔ یا حسن خدمت پر۔

غرض کہ اس بحث و گفتگو نے یہاں تک طول کہنچا کہ جو فوج کا جبار و خوشنوار دستہ سلیمان کی مدین نامزد کیا گیا تھا اس نے شیر خاں کو ایک زبردست شکست دی کہ جاگیر سے بہکا دیا۔ لیکن شیر خاں نے روز اول ہی سے کچھ ایسی مضبوط اور قوی طبیعت پائی تھی کہ باوجودیکہ اُسے روز بروز طرح طرح کی آفات کا سامنا کرنا پڑا اور اُس پر مصیبت کا لشکر چار طرف سے ٹوٹ پڑا اور اجاہ جلال چشم زون میں جاتا رہا لیکن پہر ہی وقیمت آزمائی سے کبھی نہیں ہچکچایا اور بار بار کی ناکامیوں اور شکستوں سے کچا نہیں ہوا۔

اس شکست کے بعد اُس نے اپنے تئیں سلطان جنید برلاس کے پاس پہنچایا اور وہاں سے کافی مدد لیکر آندھ کی طرح اپنی جاگیر کی طرف جھپٹا ایک بڑی خونریزی اور کشت و خون کے بعد اپنی جاگیر کو مکرر قبضہ میں لایا اور ساتھ ہی محمد خاں حاکم جونپور کی جاگیر کو بھی اپنی قوت و طاقت میں شامل کر لیا لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بڑی مروت اور قومی احسان برتنا کہ محمد خاں کی جاگیر میں سے ایک کثیر التعداد رقم جو اُس کے قدیم مالوں نے عین کر لی تھی واصل کر کے زر مصل اور اضافہ محمد خاں کے پاس بھیج دیا اور چند روز کے بعد جاگیر سے ہی دست برداری کر کے معذرت کی کہ میرا اصلی مقصود اپنے باپ کی جاگیر ہی پر متصرف ہونے کا تھا ماتحتوں کی تہذیبی سی غلطی سے یہ بے ادبی نظر میں آئے۔ جس کی معافی کی درخواست کرتا ہوں

محمد خاں شیر خاں کی اس ملوثی اور قیامی پر حشش کرتے لگا اور اپنی سالی  
کی بزدلی اور ناردی کو یاد کر کے عرقِ ندامت میں عرق ہو گیا۔

القعدہ شیر خاں نے سلطان جنید کے ہمراہی میں محمد بابر بادشاہ غازی کو ہندوستان  
میں حاضر ہو کر روشناسی کا اعزاز و افتخار حاصل کیا اور چند روز تک حاضر رہ کر  
سلطنتِ مغلیہ کے اطوار اور قوانینِ حکومت سے بخوبی واقفیت پیدا کر لی  
اب گاہے گاہے اس کی زبان پر یہ الفاظ آنے لگے تاکہ مغلوں کے  
انتظام اور ان کے اندازہ روش پر حجبِ سرسری نظر ڈالی جاتی ہے تو ایک  
صحیح اندازہ کرنیوالا کافی وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ انہیں ہندوستان  
سے نکال دینا کوئی مشکل امر نہیں ہے۔ اُس کے رفیق ان ہل الفاظ کو جو ایک  
مجنون کی بے معنی بڑ سے زیادہ وقت نہر کہتے تھے مضحکہ میں آراتے اور  
اُسے تسخرو ہندیان کی طرف منسوب کر کے مطعون کرتے لیکن اُس کے دل  
پر اس قسم کے خیالات نے ایسے گہرے نقوش کر لئے تھے جو مٹانے سے  
بھی مٹ نہیں سکتے تھے اور جتہ جتہ یہ ناگوار و غیر مفید ترانہ اُس کے زبان  
سے بیساختہ نکل ہی جاتا تھا وہ اپنے بھیمتوں میں دلیل کی شہادت سے  
سیان کرتا تھا کہ چونکہ مغلیہ سلطنت ترک و انتقام کے اسباب اور خود آرائی  
و قن پروری کے سامانِ فراہم کرنے میں اس درجہ معو ہے کہ سب نے اپنے  
کلی و جزئی امور کی باگ مرستی امر کے ہاتھ میں دیدی ہے اور خود معاملات  
سے ناواقف محض ہیں پس اگر تقدیر تدبیر کے موافق پڑ جائے تو ان کی  
ملکی و انتظامی امور کے ارکان ادنیٰ تحریک سے متزلزل ہو سکتے ہیں۔

اب شیر خاں کی یہ بیہودہ گوئی خاص خاص پارٹیوں اور محلوں سے نکل نکلا  
منظر عام میں لائی جانے لگی اور اُس کی گستاخی، ہتروی اور باش و بی غیر

دیگر قہج و ناشائستہ عادات و اطوار کی نگرانی کا یہ کام بادشاہ سے کی گئی۔ حوصلہ مند اور عالی بہت بادشاہ نے بجز اس کے اور کوئی کارروائی نہیں کی کہ اسے لشکر سے نکال دے بلکہ نہ کا حکم فرمایا۔ شیر خاں جوں ہی اس واقعہ پر مطلع ہوا شباب لشکر سے معذور ہو کر اپنی قدیم جاگیر میں آدھکا اور یہاں سے پھر کسی طرح سلطان محمد کی خدمت میں حاضر ہو کر شرائط بندگی بجا لا کر اسے اپنا گرویدہ کر لیا۔

ابھی تھوڑی زمانہ گزرا تھا کہ سلطان محمد کا انتقال ہو گیا۔ اس کا انتقال گویا شیر خاں کی کامیابی اور فتنہ دہی کا مقدمہ یا پیش خمیہ تھا اس کے دینا سے منہ موڑتے ہی ارکان دولت نے سلطان محمد کی وصیت کے بموجب اختیار حکومت کی باگ بی بی دو دینی جلال خاں کی ماں اور شیر خاں کے سپرد کی اور اتفاق حسنہ کہ جلال خاں کی ماں اپنے معزز شوہر کے انتقال کے بہت ہی تھوڑے عرصہ بعد اس کے سر ہانے جاسوئی اس کے بعد شیر خاں مستقل حکمران قرار دیا گیا مسجدوں میں خطبے اور قلعوں پر جھنڈے اس کے نام کے گاڑ دے گئے اور اسے مروجہ سکھ اسی کے نام پر ڈالا جانے لگا۔

اسی دوہیں والے بنگالہ اور حاکم بہار میں کوئی جھگڑا اٹھ کھڑا ہوا اور رفتہ رفتہ محاربت کی نوبت پہنچی پس یہ خفیہ بہانہ شیر خاں کی طبع آزمائی کے لئے کافی تھا شیر خاں کے مقابل کا لشکر جو تعداد میں بھی کم تھا اور کچھ ایسا خونریز و جرات بھی نہ تھا جیسے شیر خانی فوج اس نے مقابلہ کرتے ہی بار بار شکست اٹھائی اور ہر دفعہ ناکامیاب رہا نتیجہ یہ ہوا کہ شیر خاں کو کئی بار کی خونخوار اور عظیم الشان لڑائیوں کے بعد نمایاں فتح حاصل ہوئی اور شیر خاں کا مہمور خزانے بشمار بے بجائے ہاتھی نہایت قیمتی طرح طرح کے جواہرات و جمل و سلطنت کے لوازمات میں ہیں شیر خاں کے ہاتھ لگے۔

شیر خاں خود بھی زبردست اور مستقل ارادہ کا آدمی تھا اور جو لوگ اس کے تحت  
 آئے ان میں سے اگر سب نہیں تو بعض ضرور ایسے تھے جو بڑی وفاداری اور  
 جان نثاری سے اس کا ساتھ دیتے اور ہر سخت اور خطرناک موقع پر اسکی  
 ترقی و بہبود میں جان تک لڑا دیتے تھے جس وقت بہادر شیر خاں جلال  
 کے مقابلہ سے عاجز ہو کر ایک مضبوط قلعہ میں محصور ہو گیا تھا تو یہ لوگ اس کے  
 بڑے کام آئے تھے اور اس کی مدد میں کوئی بات اٹھانہ رکھی تھی چونکہ  
 شیر خاں کے اقبال کا ستارہ اس وقت آسمانی آفت میں شہاب ثاقب کی  
 طرح چمک رہا تھا اور اس کا روز افزوں عروج اور کمال پر پہنچ گیا تھا لہذا  
 جلال خاں پر اسے قمع حاصل ہوئی۔ جلال خاں کمال پریشانی اور بے سرو  
 سامانی کے ساتھ شکست کہا کر بہاگھا اور اس کے لشکر کا ایک معتد بہ  
 حصہ تلوار سے کاٹ ڈالا گیا۔ اس موقع پر شیر خاں نے بڑی آزادی اور  
 سفاکی سے قتل و غارت کے ہاتھ پوری طاقت کے ساتھ دراز کئے اور  
 صمد گاہروں کو بے چراغ کر دیا۔

اس لڑائی میں جو مال و دولت اور خزانہ و جواہر شیر خاں کے ہاتھ لگا اس کا  
 کافی معیار کسی طرح نہیں بتایا جاسکتا جب صوبہ بہار اور اس کے بعض طرف  
 پورے طور پر قبضے میں آچکے تو شیر خاں کی خوش قسمتی سے ایک اور تازہ  
 شگوفہ کہلا تاج خاں نامی سلطان ابراہیم کی طرف سے چنار کا قلعہ دار تھا  
 اور اس کے نکاح میں ایک نہایت حسین و خوبصورت عورت تھی جو ترکوں کی  
 مشہور قوم میں سے شمار کی جاتی تھی اور جس کا نام۔

## لاو ملک

یا لاو ملک تہا یہ عورت اگرچہ ناقابل اولاد تھی لیکن تاج خاں کو اس کے ساتھ اس درجہ موافقت و محبت تھی جس کے باعث محمود زمانہ ہو گیا تہا بالخصوص اُس مٹے لڑکے اس وجہ سے نہایت رنجیدہ رہتے تھے اور لاو ملک کے نام کو صنفہ دنیا سے مٹا دینے پر سخت حریص تھے۔

ایک دن کا ذکر ہے کہ تاج خاں کا ایک لڑکا موقع فرصت پا کر لاو ملک کے سر پر تلوار علم کئے ہوئے آفت ناگہانی کی طرح پہنچا اور نہایت برہمی کے ساتھ تلوار ماری اگرچہ بد نصیبی سے تلوار اوجھتی ہوئی لگی اور لاو ملک کے کاری زخم نہ آیا لیکن پیرہی محل کے ہر چار طرف سے ایک مہیب شور و غل کی آواز پیدا ہوئی تاج خاں بڑی غضبناکی کے ساتھ اپنے ناخلف لڑکے کے سر پر پہنچا چاہتا تھا کہ تلوار کی قہر سے فوراً اس کا کام تمام کر دے لیکن پیری رحم مانع آیا اور اُسکی تلوار اُٹھی کی اُٹھی رہ گئی۔ اس کے مقابلہ میں ناقبت اندیش لڑکے نے سبقت کی اور تلوار کے تابڑ توڑ وار کرنے شروع کر دئے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاج خاں اُسکے ہاتھ سے جانبر نہ ہو سکا۔

اس زمانہ میں شیر خاں کے اقبال کا ستارہ خوب چمک رہا تھا اس نے میرزا احمد ترکان کے مشورے سے تاج خاں کے لڑکوں کو گرفتار کر کے قید کر دیا اور لاو ملک کی مدت گزر جانے کے بعد اسے اپنے نکاح میں لے آیا۔ تاج خاں کا تمام متروکہ اور قلعہ میں جس قدر اسباب سلطنت موجود تھا سب اس کے ہاتھ لگا جس سے اسے بہت بڑی مدد ملی اور اس کی پشت اور بھی قوی ہو گئی اب بہار و بیگمالہ کے اطراف میروار اس کے ہاتھ آنے

گئے اور روز بروز اس کی عظمت و جبروت ترقی کرنے لگی صوبہ بنگال میں شیر خاں نے جب تلوار عام کی گئی ہے تو ہزاروں آدمی بڑی پیر جمی اور سفاکی سے قتل کئے گئے ہیں اور صدائے گہر قرعے اکبیر کر ہینک دیئے گئے ہیں ملک اور وہیں ایک بہت بڑی خونریزی ہوئی اور ایک عظیم الشان جنگ سے تمام جنگل میں خون دریا کی طرح بہریں لینے لگا۔

اسی اثنا میں سلطان سکندر کا بیٹا سلطان محمود جو ہایوں کے خوشخوار لشکر سے شکست کھا کر ان اطراف میں مدت تک سرگردان و پریشان پرتا تھا شیر خاں نے اس سے اتفاق کر لیا اور جونپور میں پہنچ کر ہایوں بادشاہ کے صوبہ داروں کو بہت بڑی شکست دی اس کے بعد اس نے یہاں سے اپنی عمان توجہ لکھنؤ کی طرف پھیری اور دریائی صوبوں کو جلد بحد فتح کرتا ہوا لکھنؤ تک بڑھا چلا گیا۔ لکھنؤ کا صوبہ اگرچہ بظاہر نہایت سخت اور دشوار گزار معلوم ہوتا تھا لیکن جب یہاں شیر خاں کی تلوار چلکی تو بہت جلد ان اطراف میں افغانی فتح کا جھنڈا ہوا میں جھونے لگا۔

ہایوں بادشاہ افغانہ کی سرکشی و تہدی کی گراما گرم خبریں سنکر سلطان محمود کے مقابلہ میں آیا۔ جب دونوں طرف کے لشکر صف آرا ہوئے اور جنگ کی آگ جانین سے بھڑک اٹھی تو شیر خاں نے بابر بادشاہ کے حق میں نمکا اور موروثی عبودیت کو ملحوظ رکھ کر ہایوں کو پیغام دیا کہ چونکہ حضور کے قدیم احسان و انصاف کے بارے میں میری گردن اونچی نہیں ہو سکتی ہے اس لئے میں آپ کو اطینان دلاتا ہوں کہ میں لڑائی کے موقع پر میدان سے الگ ہو جاؤں گا اور میری علمدگی کی وجہ سے غالباً فوج افغانہ شکست کھا کر مغرور ہو جائیگی چنانچہ جس وقت گہسان کی لڑائی ہوئی تو شیر خاں نے کہنے کے مطابق عمل کیا

سلطان محمود شکست کہا کر بھاگا اور اپنے تئیں زمینداروں کی پناہ میں پہنچایا۔  
 سلطان محمود نے یہ ٹھوکر ایسی کہاں ہی تھی کہ پھر سلطنت کی ہوس اس کے دل میں  
 کبھی نہیں ہوئی۔ تھوڑے دن ایک گوشہ میں بیٹھ کر زندگی بسر کی اور بیت قلیں صبر  
 میں دنیا سے کوچ کر گیا۔ ہمایوں شاہ بانیں مرام اگرہ کی طرف توجہ ہوا اور میرزا  
 ہندی بیگ کی ماتحتی میں کچھ فوج دیکر شیر خاں کی طرف روانہ کیا کہ قلعہ چنار  
 سے دست برداری کرے۔ شیر خاں نے۔ میرزا ہندی بیگ کو بہ لطائف لیل  
 شیشہ میں اتار لیا اور اسے ناکامی کے ساتھ اگرہ کی طرف رجوع کرنا پڑا۔ ہمایوں  
 خود قلعہ چنار کے تختہ سر کے ارادہ سے اس طرف توجہ ہوا۔ شیر خاں کو حیب یہ  
 معلوم ہوا تو اس نے اپنے لڑکے قطب خاں کو شہنشاہ کی خدمت میں روانہ  
 کیا اور ایک عرضی جو نہایت لجاجت و سماجت سے مملو اور کلمات عاجزانہ سے  
 پُر تھی اور جس میں طرفین کے باہمی حقوق کی طرف اشارہ کیا گیا تھا قطب خاں  
 کی معرفت اولوالعزم شہنشاہ کی خدمت میں پیش کی چونکہ اس وقت ہمایوں  
 کو احمد آباد کی ہم سر کرنی از بس ضرور تھی اس لئے وہ قلعہ چنار سے اعراض کر کے  
 احمد آباد روانہ ہو گیا شیر خاں اپنی خوش قسمتی سے بہت خوش ہوا اور یہ موقع  
 غنیمت پاکر بہار و بنگالہ کے حکام سے از سر نو متواتر اور پے درپے لڑائیاں  
 شروع کر دیں۔ سلطان محمد بنگالی اور اس طرف کے بہت سے سرداروں کو  
 زخمی کیا اور انہیں تھوڑی تھوڑی شکست دیکر اکثر مشرقی حصے اپنے تصرف  
 میں لے آیا۔ غرض کہ یہ جب بنگالہ کے مشرقی حصوں کو اپنی فتوحات میں شامل  
 کر چکا تو اب اسکی حریفیں نظریں قلعہ رہتاس پر پڑے تو قس سے اٹھیں اور  
 یہاں کی مقامی سپہ سالار فطرتاً شیر خاں کو اپنی طرف مائل کرنے لگیں۔ مورخین  
 کا بیان ہے کہ قلعہ رہتاس رہتک دہلی اور بنگالہ کے کسی تاجدار کے تصرف

میں نہ آیا تھا اور اس کی تعمیر کی طرف کسی کا ارادہ نہ ہوا تھا۔ قلعہ رہتاس کی زرخیز  
 اور ثمرت انگیز حالت سنکر شیرخان کے منہ میں پانی بہر آیا اور وہ اس کے فتح  
 کرنے کی تدبیریں سوچتا رہا۔ انجام کلا اس نے راجہ برکشن کو جو اس فلک سخت  
 قلعہ کا موروثی حاکم کہا جاتا تھا پیغام دیا کہ آج کل مغلوں نے تمام ہندوستان  
 میں ایک ہلکم مچا رکھا ہے اور میری ملک و سلطنت سے مجھے محروم کرنا چاہتے  
 ہیں۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ اگر یہ ملک تیموری خاندان کے تصرف میں گیا  
 تو پھر قلعہ کا آپ کے تصرف میں رہنا مشکل ہی نہیں بلکہ سخت محال نظر آتا ہے  
 اس وقت میرے خیال میں ایک نئی بات پیدا ہوئی ہے اور وہ یہ ہے کہ چونکہ  
 میں اپنی ناموس اور خزانہ کے تحفظ کے لئے کوئی نامن اور جائے پناہ نہیں  
 رکھتا ہوں اس لئے چاہتا ہوں کہ اگر آپ میری اہل و عیال کو مع اس خزانہ  
 کے جسے میں ہمراہ لیجانا خلاف رائے صواب سمجھتا ہوں قلعہ میں جگہ دیں تو  
 نہایت اطمینان اور عاطفہ جی سے مغلوں کا مقابلہ کروں اور ان کے فتنہ  
 کے ان بڑھکتے ہوئے شعلوں کو جو میری اور آپ کے ملکوں کو چشم زدن میں  
 جلا کر خاک کر دینے والے ہیں اب تلوار سے بچا دوں اگر میں اس صورت  
 میں فوجیابی کے ساتھ واپس آیا تو مدت العمر آپ کے اس انسانی ہمدردی  
 کامیوں و ممنوں رہوں گا اور اگر قضیہ منعکس ہوا تو میری روح کو اس سے بڑھ کر  
 اور کوئی خوشی نہیں ہو سکتی کہ میرے اہل و عیال مغلوں کے دست قرفت سے  
 محفوظ رہیں گے اور میری ناموس و ننگ آپ کے ظل عطوفت میں محفوظ  
 سے رہ سکیں گے۔

راجہ برکشن اول اول شیرخان کی اس التماس کو قبول کرتے ہوئے چکچکایا لیکن  
 پھر زرو مال کے طمع سے اسے بھراس کے اور کچھ کرتے دہرتے بن ہی چڑھا



کہ شیر خاں کی التماس کو بخوشی منظور کر لے۔ اس نے فوراً اجازت دیدی کہ  
 اپنے تمام قبائل اور مال و اسباب کو قلعہ میں ہیچد و اوٹھڑیں ہو کر اپنے ارادہ کی  
 تکمیل میں کوشش کرو شیر خاں نے جب دیکھا کہ راجہ پر میرا فوں چل گیا تو  
 اس نے اول بڑی فراخ دستی اور حوصلہ مندی سے راجہ کے تمام کلہر و اڑول  
 یہاں تک کہ دربانوں تک کے لئے طرح طرح کے بیش قیمت تھنے اور دزنی  
 ہبیے روانہ کئے اور ظاہر کیا کہ چونکہ مجھے ایک نہایت سخت اور خطرناک ہم کام سر  
 کرنا منظور ہے اور میں معلوم کہ اس کا انجام کیا ہوتا ہے اس لئے آپ لوگوں  
 سے گزارش ہے کہ میری تنگ و ناموس کو میری حیات میں اور تیر مرنے کے  
 بعد اپنا خدام تصور کریں جب شیر خاں اپنے ان تمام منصوبوں میں کامیاب  
 ہو چکا تو ہزار ڈولے مرتب کئے جن کے پردے ایک دوسرے سے جدا اور  
 ممتاز تھے۔ ہر ڈولے میں بے ڈاڑھی موچھ کے دو دو نوجوان زنانہ لباس  
 سے آراستہ کر کے ٹھائے گئے تھے ان کے علاوہ چند اور ڈولے تھے جن میں  
 مسن اور عمر رسیدہ اشخاص قیمتی زیور اور فاخرہ لباس پہنے ہوئے بیٹھے تھے اور  
 جن کی نسبت یہ مشہور کیا گیا تھا کہ ان میں شیر خاں کی مائیں وادیاں پھوپھیاں  
 وغیرہ فاندانی عورتیں جلوہ آرائیں۔ ڈولے کے ہر شخص کے پاؤں تلے نہایت  
 تیز اور آبدار تلواریں رکھ دی گئی تھیں اور ہر ڈولے کے دائیں بائیں خدام دوڑ  
 رہے تھے جن کے سروں پر کپڑوں کے بچے موجود تھے یہ بچے اگرچہ طامع  
 اور حریص نظروں میں نقد و جنس کی تہلیاں معلوم ہوتی تھیں لیکن حقیقت میں  
 وہ مصالحہ جنگ اور آلات حرب سے پُر تھے جب اس طرح تمام ڈولے قلعہ کے  
 دروازہ میں پہنچ چکے تو شیر خاں اپنی بھڑائی میں بہت سے بچتے کار اور کار آزمودہ  
 سوار لیکر عورتوں سے رخصت ہونے کی شہرت دیکر دروازہ پر اکڑا کر ہوا و ڈولے

قلعہ کا ایک دروازہ لمبے کر کے جوں ہی دوسرے دروازہ پر پہنچے نوجواں ڈولوں میں سے کود کود کر شیرازی کرنے لگے چشم زدن میں دربانوں کو قتل کر ڈالا اور قلعہ کا دروازہ اپنے تصرف میں لے لیا۔ ادھر شیرخاں اپنی خوش قسمتی پر انتہا سے زیادہ خوش ہوا اور فتح کا نغمہ بجاتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا۔ اندر جاتے ہی اس نے لشکر کے سپہ سالاروں کو حکم دیا کہ قلعہ میں بیرمی سے قتل عام کا حکم دیدو۔ فاضل راجپوتوں کی سرسبز گردنیں اڑنے لگیں اور افغانوں کی خونریز تلواروں نے بڑی خوشخواری اور شغاک سے قلعہ کے لاڈ میں پلے ہوئے بچوں کو خون میں نہلا دیا۔ کوئی تین چار گھنٹہ تک یہ قیامت زامانہ قلعہ میں برہار ہوا اور شیرخاں کی قہر آلود نظریں اس عام قتل و غارت کو پرشوق متناؤں سے متکتی ہیں۔

راجہ کرشن اپنی مال کار پر آگاہی پا کر لصبہ خرابی و پریشانی قلعہ سے مفرد ہو گیا اور ایسا پر رقت اور عظیم الشان قلعہ نہایت آسانی کے ساتھ افغانہ کے دست تصرف میں آگیا۔ اس قلعہ کی تسخیر کی وجہ سے شیرخاں کو بہت بڑی تقویت حاصل ہوئی اور اب اس کی فتوحات نے چاروں طرف ہاتھ پاؤں پھیلانے جن بجگری اور بہادری سے اس نے آئندہ فتوحات حاصل کی ہیں ان کے پُرغز اور قابل قدر واقعات سے اب تک صفحات تاریخ کو زینت ہے جس زمانہ میں ہمایوں شاہ نے اپنی عنان توجہ سندھ کی طرف مائل کی اور شیرخاں اس کا تعاقب کرتا ہوا لاہور تک پہنچا تو اس نے پنجاب کا تمام ملک اپنے تصرف میں لے لیا اور اس سرزمین میں ایک بہت بڑا قلعہ تیار کر کے خوش خاں اور عیبت خاں کو یہاں کا جاگیردار مقرر کیا اور خود آگرہ کی تسخیر کے ارادہ سے بڑھاپہ میں آگرہ پہنچا اور یہاں کے انتظام و بندوبست کا بیخ بوم کر مالوہ اور گوالیار کی تسخیر کی طرف متوجہ ہوا۔

جب گوالیار والوں نے دیکھا کہ شیر شاہ آندھی کی طرح بھٹا چلا آ رہا ہے تو انہوں نے اپنے شہر کی دیوار کے پیچھے پناہ لی لیکن یہ ممکن نہ تھا کہ شیر شاہ کی خونریز تلوار سے کسی کو پناہ مل سکے اکثر لوگ پیر معی کے ساتھ قتل کئے گئے اور بہت سے زندہ گرفتار ہو کر آئے گوالیار کے مفتوح ہونے کے بعد شیر شاہ یہاں سے ایک عظیم الشان لشکر لیکر برابر قتل و غارت کرتا ہوا مالوہ میں پہنچا لیکن یہاں قتل عام نہیں ہوا مالوہ والوں کی خوش قسمتی تھی کہ مالوہ کا حاکم طو خاں نے شیر شاہ کی اطاعت قبول کی اور شہر سے باہر نکل کر استقبال کیا لیکن جب مالوہ شیر شاہ کے تصرف میں آگیا تو طو خاں نے یہاں سے راہ فرار اختیار کی شیر شاہ نے حاجی خاں کو مالوہ میں چھوڑا اور خود قلعہ رتھبور کی طرف متوجہ ہوا۔ طو خاں کے لئے یہ موقع بہت اچھا تھا فوراً کثیر التعداد سواروں کا ایک گروہ ساتھ لیکر پیر مالوہ میں آیا اور تھوڑی سی جنگ کے بعد حاجی خاں کو شکست دیکر مالوہ پر قبضہ ہوا۔

شیر شاہ قلعہ رتھبور پر پہنچ کر سلطان محمود کے ارکان دولت سے گٹھ گیا اور صلح کے ساتھ قلعہ پر مقصد ہو گیا قلعہ میں آیا اور بقائے امن و حفاظت کا متحکم وعدہ کیا یہاں سے آگے بڑھنے کا قصد شیر شاہ نے نہیں کیا اور جہت قہقری آگرہ واپس آیا۔ اسے آگرہ میں ایک ہی سال گزرا تھا کہ اتنے میں خبر پہنچی کہ پورن مل راجپوت نے قلعہ رائے سین کے اطراف میں سرکشی و تمردی کا جھنڈا اٹھایا ہے اور بغاوت کی آگ ہر جہاں طرف پھیل رہی ہے شیر شاہ اس وحشت ناک خبر سے ہنایت و بے وفائی ہو گیا اور پورن مل کی گوشمالی و تنبیہ کے ارادے سے بڑی ادولہ العزمی سے قلعہ رائے سین کی طرف باگ اٹھائی باغی فوج نے جون ہی خوفناکی

کے ساتھ حملہ آور گردہ کو آتے دیکھا تو قلعہ میں محصور ہو گئی اور شیر شاہ نے اپنی جہاز و خوار و فرج کو قلعہ کی دیواروں کے نیچے ڈال کر چاروں طرف سے محاصرہ کر لیا۔

شیر شاہ قلعہ کا کوئی حصہ سلا کرنے یا اس کے دروازہ کے ڈالنے

کے متعلق جس قدر تدبیریں استعمال میں لایا سب بس نامکامی اُبتائی انجام

مکملت وقت اس میں دیکھی گئی کہ راجہ پورن مل سے بقا، امن و حفاظت

کا استحکم وعدہ کیا جائے اور پیغام صلح دیکر قلعہ کو اس سے لے لیا جائے

چنانچہ ایسا کیا گیا اور جانبین سے عہد و پیمان ہو گئے لیکن شیر شاہ کی جھولی

طبیعت اور اس کی اولوالعزمی نے اسے چین سے بیٹھنے نہیں دیا فضلا

زمانہ سے اس بارہ میں فتویٰ حاصل کیا اور جبکہ پورن مل باہمی عہد و پیمان

پر مطمئن ہو کر بالکل غافل تھا شیر شاہ ایک عظیم الشان لشکر سے قلعہ

راے سین پر حملہ آور ہوا۔ پورن مل اگرچہ شیر شاہ کے اس ناگہانی حملہ سے

محض غافل تھا لیکن پہرہی اس نے اس بے سرد سامانی کی حالت میں

چار ہزار بہادر راجپوت اپنے پاس جمع کر لئے اور بہت سے کوہ پیکر

باتی فرام کر کے آمادہ جنگ ہوا۔

لیکن سب سے پہلے اس نے یہ کارروائی کی کہ اپنے تمام عورتوں بچوں

کو سخت پیرمہی کے ساتھ اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا اور خیمہ و خمر گھاہ مال و

اسباب میں آگ دیکر ہیئت مجموعی اپنے تئیں شیر شاہ کے سر پہنچایا اور اعلیٰ

مجا کر کہا کہ اؤ غدار و بد عہد ہٹاؤ تمہاری فریب اور دغا کی سزا تمہیں

ابھی ملی جاتی ہے یہ دیکھ کر شیر شاہ کی فوج ہوشیار ہوئی اور سینہ بسینہ جنگ

کر لے کر مستعد ہو گئی پورن مل نے اس معرکہ میں جس شجاعت و بہادری کے

جوہر دکھائے ہیں اور رستمہ لڑائی کی ہے اس کی چمک تا یہ نئی صفحات

پر اب تک موجود ہے۔

الغرض یہ جنگ کئی روز تک برابر ہوتی رہی اور ہزاروں راجپوت افغان  
تلواریں گھاٹ اُتار دئے گئے شیر شاہ کو متواتر شکستیں ہوئیں اور بہت  
سے کاری زخم بدن پر آئے لیکن بڑی خوشی سے دیکھا جاتا ہے کہ آخر کار  
شیر شاہ ہی کی فتح رہی پورنل بہت سے راجپوتوں کے ساتھ عین معرکہ میں  
افغانوں کی تلواروں کا لقمہ ہو گیا اور بقیۃ السیف راجپوت ادھر ادھر بھاگ  
گئے۔ شیر شاہ فتح کے نقارے بجاتا ہوا قلعہ میں داخل ہوا مگر یہاں کچھ یادہ  
مال اس کے ہاتھ نہیں لگا کیونکہ پورنل نے حملہ کرتے وقت قلعہ کے تمام  
مال و اسباب میں آگ لگا دی تھی۔

اس کے بعد پھر شیر شاہ آگرہ میں آیا اور چند روز قیام کر کے مارواڑ کی طرف  
روانہ ہوا مارواڑ کا راجہ جس کا نام راجہ مال دیو تھا اور پچاس ہزار راجپوت  
سوار جنگی بے و ہرک شجاعت اور بیباک جرات کی دھوم ہندوستان میں  
عام طور پر پھیلی ہوئی تھی اپنے پاس رکھتا تھا۔ کامل ایک ہینسے تک اجیر کی  
سرحدیں بڑی خونخوار اور خونریز جنگیں ہوتی رہیں طرفین کے ہتھیار آدمی تیرتیغ  
ہوئے اور شیر شاہ کو مالی نقصان بہت کچھ پہنچا لیکن آخر کا مقابل کی یاد رہی  
سے وہ سامان پیدا ہو گئے جس کی وجہ سے اسے مارواڑ کی فتح نصیب  
ہوئی۔ چونکہ مارواڑ کی سرزمین باجرہ کے ملاوہ اور ملے سے خالی تھی اس  
لئے وہ مارواڑ کی فتح سے زیادہ خوش نہیں ہوا بلکہ بار بار نہایت تاسف و  
کہا کرتا تھا کہ افسوس میں نے باجرہ کی ایک مٹی کی خاطر ہندوستان کے  
مفتوحہ ملکوں کو خیر باد کیا۔

مارواڑ کے نفع و انتظام کے بعد اس نے قلعہ چوڑ پر لشکر کشی کی اور پورے

تردوات کے بعد باہم مصالحت ہو گئی سکھ اور خطبہ شیر شاہ کے نام پر قرار  
 دیا گیا اور رانا کو باجگذار تاجدار بنکر رہنا پڑا اسکے بعد وہ قلعہ کانوج کی طرف  
 بڑا۔ یہاں کا حکمران اس کی وہ بد عہدی اور غداری جو راجہ پلکان مل اور  
 دیگر افغانوں کے ساتھ ظہور میں آئی تھی سن چکا تھا اس لئے وہ قلعہ میں  
 محصور ہو گیا اور میدان میں کبھی مقابلہ نہیں کیا گو پودے چہ ہینے تک  
 شیر شاہ محاصرہ کئے۔ لیکن بیخبر ناکانی کے اور کچھ حاصل نہیں ہوا۔ ایک  
 دن کا ذکر ہے کہ قلعہ کانوج کے حکمران نے محاصرہ سے تنگ ہو کر اپنے  
 فوجی افسروں کو جمع کر کے حملہ آور فوج سے مقابلہ کرنے کی بابت مشورہ  
 کیا۔ لوگوں نے رے دی کہ قلعہ ہی میں رہ کر حملہ آور فوج کا مقابلہ کیا جائے  
 کیونکہ ایسی مختصر بلکہ بے سرد سامان فوج میدان میں کچھ کام نہیں دے سکتی  
 اس پر راجہ نے کہا کہ دشمن کی فوجیں قلعہ تک پہنچ گئی ہیں اور عرصہ  
 سے محاصرہ کئے ہوئے ہیں مجھے خوف ہے کہ کہیں قلعہ کے لوگ مخالفت  
 فوج کا غلبہ دیکھ کر ہار ٹوٹ پڑیں۔ اس لئے بہتر معلوم ہوتا ہے کہ قلعہ سے  
 باہر نکل کر منہ سے مقابلہ کیا جائے۔ چنانچہ راجہ کانوج صرف چار ہزار فوج لیکر باہر نکلا  
 شیر شاہ نے ہی اپنی فوج کو ذرا پیچھے ہٹا لیا۔ اور ایک کھلے میدان میں دونوں  
 فوجیں صف آرا ہوئیں شیر شاہ کی فوج نہایت ترتیب سے آگے بڑھی سب  
 سے آگے زرہ پوش کار سالہ تباہیچے سو کو قدم کے فاصلہ پر بیٹھے علم تھے اور  
 ہر برہم کے نیچے سوار تھے علموں کے قہقہے خاص شہی گار دو تھاجس کے  
 قلبیں شیر شاہ موجود تھا اور اچھو دونوں پہلوئیں بڑے بڑے تجربہ کار اور نامور  
 افسر تھے قلعہ کانوج کے حکمران کی فوج کو نہایت مختصر اور  
 بے ساز و سامان تھی لیکن اس کے پیر زور و جبروں

نے ہر شخص میں وہ جوش بہر دیا تھا کہ حملہ آور فوج کی کثرت کا کسی کو کچھ خیال نہ تھا اور ہر ہر متفلس اپنی جان دینے کو فخر سمجھتا تھا۔ تھوڑی دیر تک تو جانبین کی فوجوں پر سکوت و خاموشی کا سا ناچایا رہا۔ مگر آخر کار مام لڑائی شروع ہو گئی۔ شیر شاہ کی فوج اپنے مقابل کے میمنہ اور میسرہ پر اس زور سے حملہ آور ہوئی کہ راجہ کی فوج کے قدم اکھڑ گئے تاہم وہ بڑی فیوری اور بیباکی کے ساتھ ثابت قدم رہا اور دوبارہ لشکر ترتیب دیکر اور بنایت جوشیلے الفاظ میں ترغیب دلا کر اہل علم پر بڑے جوش سے حملہ کیا اور کچھ ایسی بیگماری سحکمہ کیا کہ طرفہ العین میں علم برداروں کی صفیں اولٹ دیں مگر آخر میں کچھ ایسی ہل چل پڑی کہ راجہ کی تمام فوج میں بے ترتیبی اور ہتھیاریں پھیل گئی۔ اگرچہ اس نے لشکر کے سہائے میں بڑی سرگرمی اور سعی کے ساتھ کوشش کی مگر وہ کسی طرح بچھل نہ سکا۔ لشکر کی یہ پریشانی اوڈی دلی دیکھ کر راجہ پہر قلعہ میں محصور ہو گیا۔ اور محاصرین نے قلعہ کے باہر سے آگ کا مینہ برسا کر شروع کیا۔

یہ سب کچھ تھا مگر محصورین اپنی مخالف فوج کو برابر جواب دے رہے تھے اور اہل قلعہ کی یہ بے ادبی راجہ کے حوصلہ کو پست نہ کر سکتی تھی غیر شاہ کو امید تھی اور اہل قلعہ کی یہ بے ادبی راجہ کے حوصلہ کو پست نہ کر سکتی تھی۔ لیکن اسے کیا معلوم تھا کہ اب میرے اقبال خوش قسمتی کا ستارہ مضیف وستی کی طرف منتقل کر رہا ہے۔ حملہ آور فوج کے یہ علم جلوس اگرچہ راجہ کے طرفداروں کو یقین دلادیا تھا کہ اب ان کے وکٹے کی کوشش قریب بیکار ہے اور قلعہ کے تجربہ کار افسر جنکی پامروی سے غنیم کی فوج ایک قلعہ بردسترن پا سکتی تھی اب وہی بہت اڑ گئے تھے مگر یہ کیا کہنا پڑا کہ ہر وقت تھے زمانے کے غنیم کی فوج میں ایک ایسی مام پریشانی پھیل گئی جس سے انکی

گئی ہوئی قوت پر درست ہو گئی اور تمام اہل قلعہ سب طرف سے سمت میں لگا  
تازہ دم ہو گئے۔

جب محصورین قلعہ بند ہو گئے تو شیر شاہ اپنے بہت سے نامور اور شہور افروں  
کو ساتھ لئے ہوئے باروت خانہ کی چیت پر کھڑا ہوا آتش فشاں آلات  
سے محصور قلاع کے مقابلہ میں خود ترکی بہ ترکی جواب دے رہا تھا اور  
اہل قلعہ پر مینہ کی طرح آتش بار گولے برسا رہا تھا ناساز گاری بخت  
و اتفاق سے ایک بڑا گولہ قلعہ کی عظیم الشان دیوار سے ٹکر کھا کر اوٹا  
باروت خانہ میں آ پڑا اور چند گولوں میں آگ لگانا ہوا باروت خانہ کے  
اندز تک پہنچ گیا۔ چشم زدن میں سارا باروت خانہ ہلکا ہوا تھا اور  
شیر شاہ مع چند تجربہ کار افسروں کے آگ کے جانگزا صدمے سے قریب  
المرگ ہو گیا چونکہ اہل حیات بے ثبات کا قدرے اثر باقی تھا اس لئے  
اس نے اس دم واپس کو غنیمت جان کر بڑی دلیری اور بیگماری کے ساتھ  
اپنے تین شکر گاہ میں پہنچایا اور تمام فوجی افسروں کو جمع کر کے اپنی اس  
خبر کے مخفی رکھنے اور قلعہ کی فتح و تسخیر میں بڑی سرگرمی اور مستعدی کے  
ساتھ کوشش کرنے کی سخت تاکید کی۔

شیر شاہ کی اس آخری تاکید و وصیت نے افسران فوج میں کچھ ایسا جوشیلا  
اثر ہونکا کہ فوراً سب نے اپنے اپنے فوجی دستوں کو مسلح ہونے کا حکم کیا  
اور ایک نہایت تیزی کے حملہ کے ساتھ اہل قلعہ پر پل پڑے جو لوگ  
حلقہ اطاعت میں آنے لگے ان کو امن و امان مل گیا اور قلعہ کے تمام  
حصوں کو گولوں کے ذریعہ سے آگ برسا کر مسمار کر دیا گیا قلعہ کے ہزاروں  
عالی شان مکانات برباد کر دیئے گئے اور ادب باش و حیار لوگوں کو نہایت



سفاکی و پیرمھی سے قتل کیا گیا۔ بعض افسران قلعہ اگرچہ نہایت دلیری سے لڑے مگر عاجز ہو کر پناہ میں آنے گئے رفتہ رفتہ وہ نامور اور اولوالعزم افسر بھی جوار کان قلعہ سمجھے جاتے تھے شاہی قوج کے مطیع و متقا ہو گئے آخر کار قلعہ فتح ہوا اور فاتح لشکر کا شاندار جہنڈا قلعہ کی اونچے اونچے برجوں پر لہرانے لگا۔ شیر شاہ جو ابھی تک بستر مرگ پر پڑا ہوا موت کے تلخ گہونت پی رہا تھا جوں ہی یہ خبر اس کے کان تک پہنچی فوراً اسکی روح پرواز کر گئی اور وہ نہایت مسرت و خوشی کے ساتھ ربیع الاول کی بارہویں تاریخ ۹۹۲ھ ہجری کو رگزارے عالم آخرت ہوا۔

شیر شاہ نے ایام خروج اور مشرقی سلطنت کے علاوہ پورے پانچ سال ہندوستان کی سلطنت کی۔ وہ اپنی تمام قوم میں بلحاظ عقل و دانش ممتاز اور شجاعت و بہادری میں بے نظیر تھا۔ اس میں گو بہت سی برائیاں بھی تھیں۔ مگر سینکڑوں وہ خوبیاں جن سے عام سپیک کو ہمیشہ فائدہ پہنچتا رہا جو وہ تھیں وہ علم و دست تھا۔ فیاض تھا۔ اسی کے ساتھ چونکہ صاحب کمال اور پایہ شناس تھا ہزاروں اہل فن اس کے خوان کرم سے فیضیاب تھے عام ملک پر شاید اس کا مرنا اتنا گراں نہ گزرا ہو مگر جن لوگوں نے اس کے اوج و شہ ناز و نعمت شان و شوکت کا دلچسپ تماشا دیکھا تھا ان کی آنکھوں کے سامنے تو زمین و آسمان میں سناٹا ہو گیا ہو گا اس کی فیاضی کا یہ ایک ادنیٰ ثبوت ہے کہ اپنے انتقال کے بعد بہت سو وہ آثار خیر چھوڑ گیا جو مدتوں تک ہندوستان میں قائم و دائم رہے۔ مورخین کا بیان ہے کہ اس نے بنگالہ سے لیکر اکبر آباد اور ماندوا و سنہت تک مسافروں کی رہنمائی و تہام کے لئے بے شمار مسجدیں انکنت پختہ

گتہیں بنوائے مساجد میں موزن اور جادو بکشی تعینات کئے اور ان کے مقتول  
 و غنیفے شاہی خزانے سے مقرر کئے شہروں اور بستیوں میں جا بجا سرسبز تعمیر کرائیں  
 اور ہندو مسلمان مسافروں کے لئے کچا اور پکا کھانا ہر وقت تیار رہنے کا حکم  
 دیا کہتے ہیں کہ ذاک کا سلسلہ اسی کے زمانہ میں ایجاد ہوا ہے ایسے مسافر  
 کی آسائش کے لئے تالپہ دارا ہوں میں ہل دار درخت لگائے سایہ دار ملیں جا بجا  
 چڑیاں خطرناک موقعوں پر چڑیاں قائم کیں۔ غرض کہ ہندی مورخوں نے  
 شیر شاہ کی سخاوت و دریادلی کا ذکر بڑے فخر اور جوش کے ساتھ کیا ہے  
 اور چونکہ اس کے اصلی و عملی کارنامے اس قسم کے حیرت انگیز فیاضیوں  
 سے معمور ہیں اسلئے انہیں ایشیائی عبارت آرائی کی ضرورت نہیں پڑی ان  
 صفات کے متعلق جب قدر مبالغہ کیا جاسکتا ہے۔ خوش قسمتی سے وہ سب  
 شیر شاہ کے اصلی واقعات ہیں۔ اگر ہم کو اپنے معزز ناظرین سے یہ خوف  
 نہ ہو تاکہ وہ غایب از بحث کا الزام دینگے۔ تو یہاں اس فیاض اور شجاعت  
 پناہ بادشاہ کے چند کارنامے نوٹہ ذکر کرتے۔ لیکن ہر موقع و ہر گتہ مقالے  
 و لہ۔ اسی لحاظ سے ہم تلخ افغانہ علیحدہ تیار کر رہے ہیں شیر شاہ کی تاریخ وفات۔  
 (زائنش مرد) سے نکلتی ہے۔ شیر شاہ کے انتقال کے وقت او سکابرہ فرزند  
 عادل خاں جو لہدی کے خزانہ منصب سے ممتاز ہو چکا تھا اس موقع پر  
 موجود نہ تھا امرائے شاہی نے بلحاظ فساد اہل غنا و اسکے چوتھے بہائی  
 جلال خاں کو جو پٹنہ کے نزدیک کسی موضع میں قیام پذیر تھا طلب کیا  
 اور وہ یفسار کرتا ہوا فوراً موجود ہوا۔ افسران فوج  
 اور امرائے دربار نے اسے تخت حکومت پر بٹھایا  
 اور اسلام شاہ کے خطاب سے پکارا

مگر تو بے ہی دونوں میں افغانیوں کی زبان میں کثرت استعمال کی وجہ سے علم شاہ کے ساتھ مشہور ہوا۔ اسلام شاہ نے تخت نشین ہوتے ہی اپنے بڑے بھائی عادل خاں کو ایک عرصہ لکھا جو تعزیت اور انہما و معذرت پر مشتمل تھا اوسیں یہ بھی تحریر تھا کہ والدینز گوار کے انتقال کے بعد اگرچہ تخت و تاج کے موثر اعلیٰ آپ ہیں۔ اور سلطنت کا کلی استحقاق آپ کی طرف جوع کرتا ہے۔ لیکن امرائے دربار کی مصلحت سے عارضی طور پر یہ تخت نشین ہو گیا ہوں ہر چند کہ میں نے اس بارگراں کے اہٹانے سے سخت انکار کیا۔ لیکن مجبوری قبول کرنا پڑا اب آپ یہاں تشریف لائیں اور اس بارگراں سے مجھے سبکدوش کریں میں آپ کا اب بھی ویسا ہی خیر خواہ اور مطیع فرمان ہوں جیسے پہلے تھا۔ اس خط کے روانہ کرنے کے بعد اسلام شاہ متوجہ آگرہ ہوا۔ اور یہاں پہونچکر ایک اور خط عادل خاں کے پاس لکھا جس کا مضمون یہ تھا کہ میں حضور کے مقدم تشریف کا سخت منتظر ہوں۔ برائے خدا آپ جلد تشریف لائیں اور سلطنت کی باگ اپنے ہاتھ میں لیں۔

جب یہ دو متواتر خط عادل خاں کے پاس پہونچے تو اُسے قطب خاں اور علی خاں کو جو امرائے دربار میں بڑے ممتاز و مقتدر شخص تھے۔ اور عادل خاں کے خواہوں میں شمار کئے جاتے تھے خط لکھا کہ تم لوگ میرے آئے میں کیا مشورہ دیتے ہو اور ساتھ ہی ایک خط اسلام شاہ کو تحریر کیا کہ اگر تم ہمارے تین چار متمد علیہ امرامیری تسلی کر دیں تو میرے دل کے دوس اس رنج ہو جائیں اور میں ان کے ساتھ آگرہ چلا آؤں۔ جوں ہی اسلام شاہ کے پاس اس مضمون کا خط پہونچا اوس نے فوراً دربار کے چار متمد امرائے عادل خاں کی طرف روانہ کیا۔ وہ لوگ عادل خاں کے پاس پہونچے تو اودکی بہت کچھ تسلی کی

اور اس امر پر عہد و پیمان کیا کہ ملاقات کے دوسرے ہی روز ہم اسلام شاہ کو اوس جاگیر کے عطا کرنے پر ضرور مجبور کریں گے جس کے آپ خواہاں ہوئے چنانچہ عادل خاں باطینان تمام اپنی ہمراہیوں کے ساتھ متوجہ گروہ سلیم شاہ نے آکر آنے کی خبر سنی تو شاہی تنزک و احتشام کے ساتھ آگرہ سے نکل کر اس طرف متوجہ ہوا جس طرف سے عادل خاں آنے والا تھا عین راہ میں دونوں بہائیوں نے ایک دوسرے سے ملاقات کی اور سلیم شاہ نے انہماک و تپاکن اتحاد میں بڑی سرگرمی دکھلائی۔ اول نہایت لمبا جت آمیز فقروں میں مدد و معذرت کی ادھر آگرہ میں داخل ہونے کی تکلیف وہی کا انہماک کیا۔ عادل خاں نے پس پیش اپنے ہمراہیوں کو ساتھ لے و نکل آگرہ ہوا۔

قلعہ آگرہ میں داخل ہونے کا جودن مقرر کیا گیا تھا اوس میں اسلام شاہ کی طرف سے خاص طور پر اس بات کا انتظام کیا گیا تھا کہ عادل خاں کے ہمراہیوں میں سے چار آدمیوں سے زیادہ اس کے ساتھ نہوں۔ لیکن جب عادل خاں نے قلعہ میں قدم رکھا تو اس کے تمام ہمراہی امرا اور فوجی افسرین و جہازیک بڑی جماعت کے ساتھ اس کے پہلو پہلو و نکل قلعہ ہوئے اسلام شاہ نے جب دیکھا کہ میرا فوں کار گرتے ہو اور تمام کوششیں رائیگاں گئیں تو اس نے عادل خاں کے رفع ظن کے لئے ایک اور چال چلی یعنی انہماک تعلق اور چالوسی کے بعد عادل خاں کے سامنے ہاتھ باندھ کر عرض کیا کہ سلطنت کا وہ بار جو امرا نے دولت کے بحیرہ میں سرد ہر دیا تھا۔ بلحاظ مصلحت خاص اس وقت تک میں اس کا تعلق رہا۔ اور قوم افغانہ کو آج تک میں نے اپنا مطیع کر کے رکھا اب میں اس ہار گراں سے سبکدوش ہونا چاہتا اور لشکر و تخت آپ کے سپرد کرنا چاہتا ہوں یہ کہہ کر عادل خاں کا ہاتھ پکڑا اور نہایت سختی پر رہا دیا۔ عادل خاں اگرچہ ذکی لطیف فصیح۔ خوش تقریر و شجاع و دلیر تھا لیکن عیش طلب اور

راحت پسند بہت تھا اور یہی وجہ تھی کہ اسے ملکہ داری اور حکومت فرمائی سے خندان  
 دلچسپی نہ تھی وہ فضول خرچ اور اپنی خواہشوں کا مطیع تھا اور عورتیں اسکی مشیر کار تھیں  
 مگر با اینہمہ دور اندیش محتاط صاحبِ حزم ضرور تھا اس نے اسلام شاہ کی ان تمام  
 کارروائیوں کا فوراً یہ نتیجہ محال لیا کہ وہ میرا دشمن ہے اور میں نفعت میں مجھے  
 ہلاک کرنا چاہتا ہے۔ چنانچہ وہ اسوقت تخت سے نیچے اتر کر اہوا اور اسلام  
 کو تخت پر بٹھا کر اول آپ سلام و مبارکبادی کی رسم بجالایا پھر اپنے امرا کو اس  
 رسم کی بجا آوری کا حکم کیا امرا کے دولت نے عادل خاں کے حکم سے از سر نو  
 سلطنت کے شمار و ابشار کی شرطیں مکمل کو پہنچائیں اور اسکی اطاعت کا رول  
 دوبارہ اپنی گردنوں میں ڈالا۔

جب تخت نشینی اور تاج پوشی کی رسم ادا ہو چکی تو عیسے خاں اور خوں خاں نے  
 اسلام شاہ سے عرض کیا کہ عادل خاں کے لئے بیانہ کی جاگیر نامزد کر کے اُس  
 رخصت کر دیا جائے چنانچہ اسلام شاہ نے غازی خاں کو جو ایک بڑا نامور اور  
 مشہور سپاہی رہا زنجیر طلائی و دیگر عادل خاں کے گرفتار کرنے کو روانہ کیا۔  
 عادل خاں کو اس کامیابی کے بعد اسلام شاہ سے کچھ بحث ہی نہیں رہی تھی۔ او  
 وہ اپنی قدیم یہودہ عیش پسندیوں میں شغول روز مصروف۔ مسخرے اور اربابِ فضا  
 اسکی مجلس میں جمع تھے اور انکی معقول تنخواہیں جاگیر سے مقرر تھیں۔ ان صعبتوں  
 نے اسے اسلام شاہ کا خیال ہی دل سے بہلا دیا تھا۔ لیکن خوں خاں حج عادل  
 کی کامیابی کا اہلی باعث تھا اور ان ہی کارروائیوں کے صلے میں ایک متنازع  
 و مغرور منصب پر مقرر ہوا تھا۔ اسلام شاہ کی طرف سے مطمئن نہ تھا اسے یہ خبر سنکر  
 غازی خاں کو گرفتار کر لیا۔ اور وہی طلائی زنجیر اسکے پاؤں میں لٹک کر اسلام شاہ  
 کے حضور پیش روانہ کیا۔

جائیں گی یہ کارروائیاں گویا دیباچہ جنگ تھیں۔ اسلام شاہ تو بہانہ ڈھونڈتا تھا خواہ خاں کی یہ گستاخی اشتہار جنگ کے لئے اور ہی محرک ہوئی۔ اس نے فوراً فوج کی تیاری کا حکم دیا اور ایک بڑے نامی سپہ سالار کی سرکردگی میں عادل خاں کے مقابلہ میں بڑی جرات فوج روانہ کی اور حقیقت کے خود ہی کثیر جماعت کے ساتھ متوجہ رہا ہوا۔ راستہ میں جو لوگ ملتے تھے متفق اللفظ بیان کرتے تھے کہ عادل خاں بیانہ میں بڑی تیاری کر رہا ہے۔ مگر اسلام شاہ کثرت فوج پر اس قدر مغرور تھا کہ اس کو مطلق پروانہ تھی وہ برابر بڑھتا ہوا بیانہ کی حد تک پہنچ گیا اور وہاں ایک کھلے میدان میں بڑے گھسان کی لڑائی ہوئی اور ایک مدت تک کبھی لڑائی اور کبھی صلح کا رنگ جھٹارہا۔ عادل خاں اگرچہ پیہم اور متواتر شکستوں کی تاب نہ لا کر پٹنہ کی طرف چلا گیا۔ اور ایک عرصہ تک بالکل منقاد الاثر رہا۔ لیکن اس کے امرے دولت اور بیوا خواہ افسرانہ دراز تک اسلام شاہ سے لڑتے رہے۔

ان لڑائیوں کی تفصیل اگرچہ بہت طول و طویل ہے لیکن مجل مختصر یہ ہے کہ جیب خواہ خاں امر کی ایک کثیر جماعت اپنے ہمراہ لیکر پنجاب میں پہنچا تو وہاں کے بہت سے لوگوں سے سازش پیدا کر کے علم بغاوت اور پنجابیا اسلام شاہ دہلی میں آیا اور ہالیوں بادشاہ کے تعمیر کردہ قلعہ کو از سر نو چوڑے اور پتھر سے مضبوط کر کے متوجہ لاہور ہوا۔ خواہ خاں۔ اعظم ہالیوں اور ایک بڑے خوشنوا لشکر کو ساتھ لیکر اسلام شاہ کی طرف بڑھا اور لاہور کے وسیع جنگل میں دونوں فوجیں صفت آ رہیں خواہ خاں کی فوج اگرچہ اسلام شاہ کے لشکر سے المصاعف تھی مگر آخر کار اس کی فوج میں کچھ ایسی بل چل پڑی کہ تمام فوج اتر ہو گئی اور وہ مقابلہ سے پیشتر شکست کہا کر بھاگا۔ نوم نیا زیاں جو ہنرمندان جنگ میں ثابت قدم تھے حرکت ندبوجی کے بعد شکست پاکر متفرق ہو گئے

اور اسلام شاہ فتح قطعی حاصل کر کے اپنے دار الخلافہ کی طرف لوٹ آیا۔ عظیم ہمایوں جو اپنی قوم میں ایک اولوالعزم اور سربرآوردہ شخص تھا اپنے لشکر کے صرف دس تجربہ کار افسر ساتھ لیکر صلح و ملازمت کی شہرت کے ذریعہ سے دار الخلافہ آگرہ کی طرف بڑھا۔ اسلام شاہ سے ملاقات ہوئی تو اس نے پہلی ہی ملاقات میں اس کا کام تمام کر ڈالنے کی غرض سے ایک حربہ بارا نکرا سے اسلام شاہ کی خوش قسمتی کہنا چاہئے کہ دشمن کا ہاتھ اوچھا پڑا اور وہ خود زخم کاری کہا کر بہاگا۔ اس پر اسلام شاہ جوش غضب سے بھرک اٹھا اور نیاز یوں کے تعاقب میں ایک بڑا جبار لشکر متعین کیا اور قتل و قید و شکنج کیر آبادیں واپس آیا پہرواں سے گوالیار میں نزول اجلال فرمایا۔

اس فتح نے دور دور تک اسلام شاہ کا سکہ بٹھا دیا۔ پنجاب کے تمام علاقے اس کے قبضہ میں آ گئے اور ہر چہار طرف اس کی فتح کے جہنڈے گر گئے۔ عظیم ہمایوں اور میسے خاں وغیرہ نے جو عادل خان کے جان نثار قدیم تھے اگرچہ بار بار شکستیں کھائیں۔ لیکن تاہم یہ شکستیں ان کے حوصلے پست نہ کر سکیں اور وہ برابر فوج کی فراہمی اور لشکر کی تیاری میں نہایت سرگرمی کے ساتھ کوشش کرتے رہے ایک دن کا ذکر ہے کہ گوالیار میں اسلام شاہ دربار کر رہا تھا۔ عین اس موقع پر ایک شخص عثمان نامی نے شجاع خاں کے سر پر تلوار ماری جو دربار کا ایک نامی گرامی اور مشہور امیر تھا۔ چونکہ تلوار اچھتی ہوئی لگی تھی اس لئے شجاع خاں کو کچھ زیادہ صدمہ نہیں پہنچا۔ عثمان تو اپنی جان کے خوف سے فوراً بھاگ گیا مگر شجاع خاں بے خیال کہ یہ

کارروائی اسلام شاہ کے اشارہ سے ٹھہریں آئی ہے۔ گوالیار سے محکمہ مالوہ میں پہنچا۔ اور اعظم ہایوں کے ساتھ سازش کر کے اسلام شاہ کے مقابلہ میں ایک بڑی فوج تیار کی اسلام شاہ کو معلوم ہوا تو اس نے ایک اور عظیم الشان لشکر آراستہ کیا جو تعداد میں کم و بیش تیس ہزار تھا اس لشکر کے سپہ سالار وہ لوگ مقرر کئے جو دولت افغانیہ کے مشہور اور نامور فہر تھے۔ اعظم ہایوں۔ اور شجاع خاں ان بہادروں کا کسی طرح مقابلہ نہیں کر سکتے تھے اور اس بات کو خوب سمجھ گئے تھے کہ اب تلوار کے بدلے تدبیر سے کام لیا جائیگا تو بہتر ہو گا مگر چونکہ اسلام شاہ اب ان کے قریبوں سے خوب واقف ہو گیا تھا اس لئے ان کی تمام تدبیریں بے سود ثابت ہوئیں۔ انجام کار ایسے خاں اور اعظم ہایوں میں ہزار خونخوار سواروں کے ساتھ آگے بڑھے اور نہایت سخت معرکہ ہوا محاصرہ و محاربہ کے بعد اعظم ہایوں کی فوج نے شکست کھائی۔ مگر وہ خود چند جان نثاروں کے ساتھ میدان جنگ میں کھڑا رہا۔ اگرچہ فتح سے مایوس ہو چکا تھا مگر پیر بھی دشمنوں کو کلمہ بکلمہ جواب دینے میں کسی طرح کی کمی نہ کرتا تھا۔ انجام کار وہ خود اور اس کے جاں نثار سوار گھوڑوں سے اوتر پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے۔ اعظم ہایوں نے اسلام شاہ کے بہت سے آدمی ضائع کئے اور جب وہ تھک کر چور ہو گیا تو اپنے ہمراہیوں سمیت پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ اسلام شاہ کی فوج نے ہزیمتوں کا تعاقب کیا اور اعظم ہایوں کی اہل و عیال گرفتار ہو کر بادشاہ کے حضور پیش کی گئی۔

ان فتوحات نے اسلام شاہ کی امیدیں وسیع کر دیں اور اس نے



اپنے درباریوں کو ان کے کار نمایاں کے صلے میں بڑے بڑے منصب عنایت کئے۔ قوم نیازیاں شکست کہا کر حیب پنجاب میں آئے تو انہوں نے اپنے تئیں کہکڑوں کی پناہ میں دیدیا اور یہ لوگ ان کی پشت پناہ بنکر اسلام شاہ کے مقابلہ کے لئے تیاریاں کرنے لگے۔ اسلام شاہ یہ سنکر اس طرف متوجہ ہوا اور کہکڑوں اور نیازیوں کے ساتھ پورے دو سال تک لڑتا رہا۔ کہکڑوں نے اگرچہ اسلام شاہ کے مقابلہ کے لئے بہت کچھ تیاریاں کیں۔ مگر اسلام شاہ کا رعب کچھ ایسا چھا گیا تھا کہ نیازیوں نے یہاں بھی شکست پائی اور حاکم کشمیر کے ملک میں جا پناہ لی۔ اعظم ہالیوں اور سعید خاں اور شہباز خاں قتل کئے گئے اور حاکم کشمیر نے ان کے سر اسلام شاہ کے پاس بھیج دیئے۔

اسلام شاہ اپنے دشمنوں کے قلع قمع کے بعد دار الخلافہ آگرہ میں واپس آیا اب اس کی ان فتوحات کی خبرت عام ہو گئی اور تمام ملک میں اقتدار بڑھ گیا۔ اس زمانہ میں میرزا کامراں جو ہالیوں بادشاہ کے ہندوستان میں مراجعت کرنے کے بعد ایران سے کابل تک شکستیں کہا کر بہاگتا چلا گیا تھا سلیم شاہ کے پاس آکر فوجا سنگار پناہ ہوا۔ لیکن بجز آبروریزی اور خفت کے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوا اور آخر کار چند روز کے بعد فرار ہو گیا۔ اس کے چند روز بعد سلیم شاہ دہلی میں جلوہ فرما ہوا اور چونکہ اس زمانہ میں سلیم شاہ کی کوشش اکثر امرا کے قتل و قید کی طرف بڑی تھی اس کے ساتھ مصروف تھی اس لئے خواص خاں متوہم ہو کر تاج خاں حاکم سنبھل کی پناہ میں چلا گیا۔ مگر اس نے عذرو بیوفانی کو کام میں لا کر خواص خاں کو قتل کرا دیا۔ اور اس کا سر سلیم شاہ کے پاس بھیج دیا خواص خاں کے

اقریانے اس کی لاش دہلی میں لاکر دفن کی اور ایک ہنایت پختہ و عیس گنبد  
 اوسکی قبر پر بنایا۔ جسکے کچھ نشان اب تک پرانی دلی میں پائے جاتے ہیں۔  
 خواص نماں کے قتل کے بعد سلیم شاہ کو زیادہ عرصہ تک زندہ رہنا  
 نصیب نہ ہوا۔ اس کی مقعد میں بہت سے موذی ذہل برآمد ہوئے اور  
 اس کے علاوہ دیگر امراض بدنی نے اُسے چند ہی روز میں تحلیل کر دیا۔ چنانچہ  
 انہیں عوارض میں مبتلا ہو کر عین عالم شباب میں مر گیا۔ اس نے کل نو سال  
 سلطنت کی اور باپ کی طرح بہت سے کنوئیں اور سرائیں مسافروں کی  
 آسائش کے لئے بنوائیں اور عین حالت کامرانی میں انتقال کر گیا۔

دریں زمانہ بہار و خزاں ہم آغوش ست

زمانہ جام بدست و جنازہ بردوش ست

بی بی بانی سلیم شاہ کی منگولہ تھی اس کے لطن سے صرف ایک لڑکا  
 فیروز خاں نام پیدا ہوا تھا۔ مبارز خاں جو شیر شاہ کا بہتیجا اور بی بی بانی  
 کا حقیقی بہائی تھا۔ سلیم شاہ کی زندگی میں ہی سلطنت کا دعویدار تھا اور  
 اپنے ہی تئیں تخت و تاج کا وارث سمجھتا تھا۔ سلیم شاہ چونکہ اس کی وضع  
 سے واقف تھا اس لئے وہ بار بار بی بی بانی سے کہا کرتا تھا کہ اگر تو  
 اپنے فرزند کو عزیز رکھتی ہے اور اُس کی زندگی و سلطنت کی خواہاں  
 ہے تو مجھے اجازت دے کہ تیرے بہائی کا کام تمام کر کے اس جگہ کو  
 کو پاک صاف کر دوں کیونکہ مجھے اس کی وضع سے معلوم ہوتا ہے کہ  
 میرے بعد تیرے فرزند کو قتل کر کے خود مالک تخت و تاج بن بیٹھے گا  
 اور عجب نہیں کہ تجھے ہی تحلیل و صدمہ پہنچائے گا اگر تجھے بہائی کی  
 محبت فرزند سے زیادہ ہے تو میں مجبور ہوں۔ سلیم شاہ ہر چند کہ اس قسم

کی بہت سی باتیں غلوٹ و جلوت میں بی بی بانی کو سمجھاتا تھا مگر وہ اپنے بہائی کو اس بدگمانی سے بری جانکر راضی نہ ہوتی تھی۔

سلیم شاہ کی وفات کے بعد امرائے دولت نے فیروز خاں کو اس کے ولیمہ ہونے کی وجہ سے تخت نشین کیا مگر بار خاں کو اس کی تخت نشینی نہایت ناگوار لگدی اور وہ دوسرے ہی روز بڑے غیظ و غضب کے ساتھ اپنے بہائیوں کو ساتھ لیکر فیروز خاں کے قتل کر ڈالنے کی غرض سے درانہ محل میں گھس گیا بی بی بانی کو اس قیامت زاد واقعہ کی خبر ہوئی تو وہ بہائی کے قدموں پر گر پڑی اور نہایت الماح و زاری سے التجا کی کہ فیروز کو جان سے مت مار۔ اگر تجھے ملک داری کی ہوس ہے تو شوق سے تخت و تاج اپنے قبضہ میں کر لے۔ فیروز اور اس کے ساتھ میں اس دعوے سے درگزر کرتی ہوں اور عہد کرتی ہوں کہ وہ کبھی تیری اس خواہش کی فراغت نہ کریگا تو مجھے اور اسے چھوڑ دے تاکہ ہم دونوں یہاں سے جلا وطن ہو جائیں اور پھر کبھی ادھر کا رخ نہ کریں اور اگر یہ بات تجھے منظور نہیں تو ہم دونوں کو قید کر کے رکھ اور مظلوم فیروز کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کرے کیونکہ بی بی بانی اس قدر زار و قطار رولی کہ اپنے آنسوؤں سے مبارز خاں کے دامنوں کو بہگو دیا مگر وہ ظالم اس درجہ سنگدل اور مغلوب الغضب تھا کہ بی بی بانی کی ان جگر سوز باتوں سے ذرا بھی نرم نہیں ہوا۔ شعرا

نفس در آئینہ آہنی کند تاثیر سخن نئے شنوی ظالم این چنگ و دست  
جفاکیش اور سنگدل مبارز خاں اپنی بہن کے سر کو قدموں سے نہکراتا ہوا  
فیروز خاں کے پاس پہنچا اور اس معصوم اور بے گناہ بچے کو آبِ شمشیر سے  
تہلا کر تختِ دہلی پر تنگن ہوا اور اپنے لئے محمد شاہ مادل کا خطاب اختیار کیا۔

## شمر و کی بیگم

شمر و کی بیگم کی سوانح عمری سمجھنے کے واسطے شمر و کے حالات سے واقفیت پیدا کرنی ضرور ہے۔ کیونکہ اس کے بغیر شمر و کی بیگم کا حال سمجھ میں نہیں آ سکتا۔

شمر و کا اہل نام والٹرین مارڈ تھا۔ یہ شخص فرانسس کارہنے والا تھا جس زمانے میں انگریز اور فرانسیسی ہندوستان کی سلطنت حاصل کرنے کے واسطے آپس میں لڑ رہے تھے، اسی زمانے میں شمر و فرانسیسی فوج میں بطور ایک معمولی سپاہی کے بہرتی ہو کر ہندوستان آیا تھا۔ جب لارڈ کلاپوٹن نے ۱۷۵۷ء میں انگریزوں کی طرف سے فرانسیسیوں کو کامل شکست دی اور ان کی فوجیں تتر بتر ہو گئیں، تو شمر و نے مع اپنے چند ہمراہیوں کے مرشد آبادیں جا کر میر تقی سم صوبہ دار بہار کی فوج میں نوکری کر لی۔ اور جب انگریزوں نے میر تقی کو بھی شکست دی تو شمر و نے وہاں سے بھاگ کر بہت پور کی ریاست میں پناہ لی۔ یہ ریاست اس زمانے میں انگریزوں کے اثر سے باہر تھی۔ یہاں شمر و نے اپنے پاس سے ایک فوج بہرتی کی جو کراٹے پر لڑا کرتی تھی یعنی جس نواب یاراجہ کو ضرورت ہوتی وہ اجرت دیکر اس کو اپنے فہم سے لڑنے کے واسطے یہ جاتا۔ جب شمر و ۱۷۵۷ء میں راجہ بہت پور کی طرف سے دہلی کے محاصرے میں مصروف تھا تو اس کو کسی طرح ایک مسلمان لڑکی کا حال معلوم ہوا جس سے اس نے شادی کر لی۔ اس زمانے میں بلکہ مذرتک یورپینوں اور ہندوستانیوں میں باہم ایسی مغائرت نہیں تھی جیسی آج کل ہے۔ اکثر یورپین ہندوستانی عورتوں سے شادی کر لیتے تھے اور ان سے جو اولاد ہوتی تھی اسکو ہندوستانی

میں انہیں کے رسم و رواج کے موافق بیاہ کے تھے۔

شہزادہ میں شاہ عالم بادشاہ دہلی نے نجیب الدولہ نواب سہارنپور کے لڑکے کے نواب ضابطہ خاں کو وزارت سے معزول کر کے قلمدان وزارت نواب نجف خاں کے سپرد کیا ضابطہ خاں کو یہ امر نہایت ناگوار گزرا اور اس میں اپنی حقارت سمجھ کر بادشاہ سے علانیہ بغاوت اختیار کر لی۔ اور کوہ ٹوالک میں جا کر قلعہ غوث گرہ کے اندر پناہ گزیں ہوا۔ نجف خاں نے جو شہر و کی فوج کا حال سن چکا تھا فوراً اس کو طلب کر کے باغی نواب کو مغلوب کرنے کے واسطے پہنچا۔ شہر و نے جا کر قلعہ کا محاصرہ کر لیا ضابطہ خاں نے بھی بہت دلیوری سے مقابلہ کیا مگر آخر کار تاب مقاومت نہ لاسکا اور مع چند رفقا کے دریائے گنگ کو عبور کر کے ملک اودھ میں بھاگ کر پناہ لی۔ اس کے اہل و عیال اور خزانہ جو پتر گرہ میں تھا وہ شہر و کے ہات لگا۔ اس وقت نجف خاں نے بادشاہ کو صلاح دی کہ شہر و کی فوج کو مستقل طور سے نوکر رکھ لینا چاہئے بادشاہ نے یہ صلاح منظور کر لی۔ اور نواب ند کوہ کی ریاست کے متصل ایک وسیع زیریں جاگیر چھ لاکھ روپے سالانہ کی فوج کے گزارے کے واسطے شہر و کو عطا کی۔ یہ جاگیر طول میں مظفر نگر کے آگے سے ملی گرہ کے قریب تک اور عرض میں گنگا سے جتنا تک پہیلی ہوئی تھی۔ شہر و نے جاگیر کے وسط میں سر دہنہ کو جو اس زمانے میں ایک چھوٹا سا گھاؤں تھا اور اب اوسط درجہ کا قصبہ ہے اپنی سکونت کے واسطے پسند کیا اور وہیں فوج کی چھادنی بنائی اس کے بعد شہر و نے بادشاہ کی طرف سے اور کئی لڑائیاں لڑیں۔ نجف خاں نے اس کو اگرہ کی حفاظت کے واسطے وہاں کا حاکم مقرر کر کے مرہٹوں کے مقابلہ میں پہنچا۔ اس خدمت کو اس نے بہت جانفشانی اور خوش انتظامی

سے انجام دیا۔ ہنوز اسی خدمت پر مامور تھا کہ ہم - منی مشائخہ کو انتقال کیا اور اگر مکے کی تھو لک قبرستان میں مدفون ہوا۔ کیونکہ وہ رومن کی تھو لک مذہب رکھتا تھا۔ اگر وہ اس کا مقبرہ اب تک اچھی حالت میں ہے۔

شادی کے بعد شمر نے جتنی لڑائیاں لڑیں اور جس قدر معرکے اُس کو پیش آئے ان سب میں اس کی بی بی اُس کے ساتھ رہی۔

یہ مشہور عورت لطیف یلٹاں کی لڑکی تھی۔ اس کا نام زیب النساء تھا۔ لطیف یلٹاں ایک شریف اور خاندانی آدمی تھا اس کے بزرگ عربی اگر موضع کتانہ میں آباد ہوئے تھے جو شہر میرٹھ کے گوشہ شمال و مغرب میں تیس میل کے فاصلے پر واقع ہے۔

زیب النساء کی ولادت کی صحیح تاریخ تو ملی نہیں مگر تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نشاۃء عمر کے قریب پیدا ہوئی تھی۔ چھ برس کی تھی کہ باپ کا سایہ سے اٹھ گیا۔ سو تلے بہائی نے اُس کے اور اُس کی ماں کے ساتھ بدسلوکی کا برتاؤ کیا تو وہ اُس کو لیکر دلی چلی گئی۔ اور وہیں سکونت اختیار کر کے بہت اچھی تعلیم و تربیت اس کو دی۔

یہ وہی لڑکی ہے جس سے شمر نے دہلی میں شادی کی تھی۔

زیب النساء ایک حسین عورت تھی اُس کا قد چھوٹا جسم گدازنگ اور اعضاء بہت نازک و متناسب تھے فارسی میں فصاحت کے ساتھ تحریر و تقریر کر سکتی تھی۔ شوہر کی وفات کے تین برس بعد یہ منی مشائخہ کو مینائی ہو گئی۔ مینائی نام جو انار کہا گیا۔ زیب النساء کی کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ شمر کی پہلی بی بی سے جو سلمان تھی ایک لڑکا طغریا بن گیا تھا جس کی ماں کو چونو ہو گیا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شمر کی وفات کے بعد

اس کی فوج نے بادشاہ سے درخواست کی کہ شمر کی جگہ زیب النساء کو فوج کا افسر مقرر کیا جائے۔ شاہ عالم نے جو زیب النساء کے جوہر ذاتی اور لیاقت سے بخوبی واقف تھا یہ درخواست منظور کی اور زیب النساء کو فوج کا افسر مقرر کر کے سردہنہ کی جاگیر اس کو عطا کی۔

اس وقت سے زیب النساء شمر کی بیگم کے نام سے مشہور ہوئی اور اس کی شہرت کا زمانہ شروع ہوا سردہنہ اور اس کے گرد و نواح میں اب بھی کہیں کہیں شمر کی بیگم کے دیکھتے والے زندہ ہیں۔ عام طور پر اس کو یہاں صرف بیگم کہتے ہیں۔ میں بھی اس مضمون میں آئندہ اس کے واسطے صرف لفظ بیگم ہی استعمال کروں گا۔

علاء الدین نے اب ضابطہ خاں کے لڑکے غلام قادر نے سلطنت منیلہ کی پُر آشوب حالت سے فائدہ اٹھا کر اپنے باپ کا عہدہ امیر الامرائی زبردستی حاصل کرنے کی غرض سے مع اپنی فوج کے دلی کی طرف کوچ کیا۔ مگر حبیب اس ارادے میں کامیابی ہوتی نظر نہ آئی تو علانیہ بغاوت کر کے مرہٹوں کی فوج کو شکست دی اور قلعہ پر قبضہ کر کے بادشاہ کو قید کر لیا۔ اس زمانے میں مرہٹے دلی کے اہلی فرمانروا تھے۔ اور دہلی ان کی طرف سے فوج کا ایک دستہ رہتا تھا۔ بیگم نے جو اس وقت پانی پت میں سکھوں کے ساتھ جنگ کر رہی تھی۔ اس خبر وحشت اثر کے شتے ہی فوراً کوچ کیا اور دلی پہنچ کر قلعہ کے لاہوری دروازے کے سامنے ڈیرے ڈال دیے۔ غلام قادر نے بیگم سے درخواست کی کہ ہم دونوں سلطنت منیلہ کو آپس میں تقسیم کر لیں۔ مگر بیگم نے نہایت حقارت کے ساتھ اس درخواست کو نامنظور کیا۔ اس پر غلام قادر نے قلعہ میں بیگم کی فوج پر گولہ باری شروع کر دی۔ بیگم نے بھی اپنا توپخانہ قلعے

کے سامنے ہمارے ترکے کی جواب دیا۔ یہاں تک کہ غلام قلاؤر انکی فاداری  
در استعجال کو دیکھ کر قلعہ چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ اور محبت کو عبور کر کے چلا گیا  
بادشاہ نے اسی روز بیگم کو دختر عزیزہ سلطنت منلیہ کا معزز خطاب عطا فرمایا۔  
شہنشاہیں بادشاہ نے بخت قلی خاں جاگیر دار گوکل گرہ کو جو  
ریواڑی کے قریب ہے مطیع کر نیکا قصد کیا۔ انکی جاگیر کا ایک حصہ کر لیا گیا  
جتنا اس سبب سے باغی ہو گیا تھا۔ بادشاہ خود گوکل گرہ تشریف لے گئے اور  
غیوں کا محاصرہ کر لیا۔ بیگم بھی مع اپنی فوج کے ہرکاب تھی۔ یہ فوج بیگم کے  
یک بہادر آئرش افسر سر جارج ٹومس کے زیر فرمان تھی۔ ۵۔ اپریل ۱۸۵۷ء کو  
لی اھیاح مصورین بڑی دلیری سے شاہی خمیہ گاہ پر آپڑے اور قریب تیناک  
بادشاہ سلامت متعبد ہو جائیں کیونکہ ان کا لشکر اس وقت تیار نہیں تھا  
تنے میں بیگم کو خبر لگی تیر کی طرح موقعہ پہنچا اور اپنی جان جگہوں میں لٹکر  
بادشاہ کو دشمنوں کے نرختے میں سے صاف نکال لیا اور بہ حفاظت تمام  
پنے لشکر میں لے آئی۔ اس وقت جارج ٹومس نے دشمنوں پر آگ برسانی  
نزع کر دی اور ان کو آگے بڑھنے سے باز رکھا۔ اسی اثنا میں شاہی لشکر  
جی آگیا اور بڑی زبردست جنگ ہونے لگی۔ بیگم بھی بادشاہ کو اپنے لشکر  
سے پہنچا کر پھر موقعہ جنگ پر پہنچی اور تانا افتام جنگ اپنی پالکی میں دریں موجود  
ہی آخر کار غنیم کو کامل شکست ہوئی اور اسکا قلعہ مفتوح ہو گیا۔

بھارتین جنگ کی رائے کو صرف بیگم کی ہوشیاری اور بہادری نے  
بادشاہ کو بچا یا ورنہ ان کا بچنا ناممکن تھا۔ بادشاہ نے دربار عام میں بیگم کے  
ان خدمات کی تعریف کی اور اس کا شکریہ ادا کر کے ایک بیش قیمت خلعت اور  
رنگہ بادشاہ پور جو دہلی سے جانب غرب جمنا کے ساحل رہت برہم پور



جاگیم عطا فرمایا۔

بیگم نے بادشاہ سے بخت قلی خاں کی سفارش کر کے اسکا تصور اہل

معاف کرا دیا۔

شمر کی وفات کے بعد فوج نے چند مرتبہ سرکشی کی اسکی وجہ یہ تھی کہ سب کی تنخواہ بقایا میں پڑی ہوئی تھی اور اعلیٰ عہدوں کے واسطے افسر اسپر رشک و حسد کرتے تھے اور ایک دوسرے پر سبقت حاصل کرنے کی کوشش میں رہتے تھے اور اپنے حصول مدعا کی غرض سے فوج کو ہٹا کر تے تھے۔ اس حالت میں بیگم کے صلاح کاروں نے اُسکو یہ صلاح دی کہ دوسری شادی کر کے شوہر کی مدد سے فوج کو قابو میں کرنا چاہئے۔ بیگم نے بھی اس رائے کو پسند کیا اور شادی کا ارادہ ظاہر کیا۔ یہ واقعہ سننے والا ہے جارج ٹامس نے جو شاہ سے بیگم کی ملازمت میں تھا اور اپنی وجاہت اور بہادری کی وجہ سے بیگم کے مزاج میں بہت دخل ہو گیا تھا۔ خواہش کی مگر بیگم نے اپنی فوج کے ایک چہرے فرانسس افسر لی ویو کو پسند کیا۔ جو مالی شان اور تعلیم یافتہ تھا۔ مگر اس وجہ سے ان دونوں افسروں میں عداوت ہو گئی اور سپاہیوں میں بھی ان کی وجہ سے دو گروہ ہو گئے۔ جارج ٹامس نے ملازمت سے استعفاء دیدیا۔

سنہ ۱۷۹۳ء میں بیگم کی شادی لی ویو سے ہو گئی۔ اس شادی سے فوج کے افسر اور سپاہی بہت ناخوش ہوئے۔ مگر یہ ناخوشی صرف شادی کی وجہ سے نہیں تھی بلکہ لی ویو کی خوش قسمتی نے اس کے ہم عصر عہدہ داروں کی حسد کی آگ کو ہڑکا دیا تھا۔ لیکن اہلیت کو چھپانے کی غرض سے وہ یہ کہہ کر اپنی ناخوشی کا اظہار کرتے تھے کہ اس شادی سے ہمارے مروجہ گزشتہ عکراں کی بے عزتی ہوئی۔ اور سرد بننے کی جاگیر ایک غیر شخص کے ہات میں چلی گئی

اس شادی کے بعد جارج ٹامس دہلی چلا گیا اور وہاں پہنچ کر دلی کے مرہٹہ  
 حاکم آپا کانڈے راؤ کی فوج میں نوکر ہو گیا اور بیگم کی اس فوج سے سازش  
 کر لی جو بیگم کی طرف سے بادشاہ کی خدمت کے واسطے نواب مظفر الدولہ  
 یعنی بیگم کے سوتیلے بیٹے ظفر یاب خاں کے ماتحت دلی میں رہا کرتی تھی دلی  
 میں رہ کر جارج ٹامس نے بیگم کی فوج کے افسرانگوں سے جو سر ہننے میں اہتا  
 تھا اور اس کا دوست تھا خط کتابت شروع کی اور اس کے ذریعہ سے فوج  
 کے اور افسروں کو بھی اپنے رقیب لی دیو کی طرف سے متنفر کر دیا۔ لی دیو  
 اگرچہ تعلیم یافتہ آدمی تھا۔ مگر کچھ سمجھ دار اور ہوشیار نہیں تھا۔ بلکہ مغرور اور  
 خود پسند تھا۔ فوج کے عہدہ داروں سے نفرت اور سپاہیوں سے بدسلوکی  
 کرتا تھا۔ ان وجوہ سے فوج اور بی اس سے بگڑتے ہو گئی۔ اور آپس میں یہ  
 سازش کی کہ بیگم کو معزول کر کے شمر کے بیٹے ظفر یاب خاں کو حاکم مقرر  
 کرنا چاہئے۔“

بیگم کو اور لی دیو کو بھی یہ بات معلوم ہو گئی۔ اور ان کو بہت ناگوار  
 لگا۔ کیونکہ ایک تو جاگیر مات سے جاتی تھی۔ دوسرے سوتیلے بیٹے کے نفوس  
 اسوجہ سے انہوں نے بے صداق اس مثل کے۔ تو کو نہ مو کو لے چو لے میں جہو کو  
 یہ تجویز کی کہ جاگیر مرہٹوں کے حوالے کر دیں۔ اس آٹنا میں لی دیو نے سلطان  
 شہر صاحب کو جو اسی زمانے میں انگریزوں کی طرف سے گورنر خیرل تھا لکھا کہ  
 چند روز تک جانے کے واسطے پروانہ راہداری مجائے لیکن اس بائے میں ہنوز  
 کوئی تجویز نہیں ہوئی تھی اور تحریر کا جواب ہی نہیں آیا تھا کہ فوج کو کسی طرح اس  
 خط و کتابت کی خبر لگ گئی۔ اور اس نے لنگوں کو اپنا سردار مقرر کر کے بیگم کے  
 معزول کر نیکیا اعلان کر دیا۔ اور ظفر یاب خاں کو دلی سے بلا بھیجا۔

جب بیگم نے یہ حالت دیکھی تو سر دھند میں ٹھہرنا مناسب سمجھا اور ایک روز رات کو اکتوبر ۱۹۷۹ء میں مع اپنے شوہر کے بہاگ نکلی۔ مگر ابھی کتبہ موضع کبرہ تک پہنچی تھی جو سردہنے اور میرٹھ کے رستہ میں سردہنے سے تین میل کے فاصلہ پر ہے کہ اتنے میں ٹلٹن کے ایک دستے نے جواں کی تلاش میں تھا ان کو آگبیرا۔ بیگم پالکی میں تھی اور لی ویو گھوڑے پر۔ پریشانی اور کشمکش کی حالت میں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے۔ طرفین سے فیرو نے لگے او کچھ آدمی زخمی بھی ہوئے۔ بیگم نے یہ خیال کر کے کہ اس کا شوہر مارا گیا اور اس خوف سے کہ مبادا باغی لوگ اس کی بے عزتی کریں خنجر نکال کر اپنے سینہ میں مار لیا۔ نوکر چاکر جو ساتھ تھے وا دلا کرنے لگے۔ لی ویو نے جو وہیں قریب ہی لڑ رہا تھا روٹنے کی آواز سن کر دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ بیگم نے خنجر مار کر خودکشی کر لی۔ ایک خدمتگار نے پالکی کا پردہ اٹھا کر دکھا دیا۔ لی ویو نے برقع خون آلودہ اور بیگم کو بیہوش دیکھ کر اپنے حلق میں گولی مار لی اور مر گیا۔ بیگم نے جو سینے میں خنجر مارا تھا۔ اس کی نوک ہڈی پر رک کر ایک ٹن پھسل گئی تھی۔ زخم کاری نہیں لگتا تھا۔ مگر تکلیف اور صدمہ کی وجہ سے بیہوش ہو گئی تھی۔ باغیوں نے لی ویو کی نعش کی بہت توہین اور تحقیر کی۔ بیگم کو کپڑے سر دھند لے گئے۔ اور وہاں ایک توپ سے اسکو باندھ دیا۔ کئی روز تک اسی طرح بندی رہی آخر کار فوج کے ایک انفرسٹر سیر نے اسکو اس بندش سے ہلکا کر دیا اور اسکی ہوشش سے بیگم کے زخم کو بھی آرام ہو گیا۔ اس اثنا میں غلو باب خاں دلی سے آگیا اور فوج نے اپنا حاکم تسلیم کر لیا۔ قید کی حالت میں بیگم کو خط کتابت کرنیکا موقع مل گیا اور اس نے مہاراجہ سندھیا اور دلی کے مرہٹے حاکم اور جلیج ناسک جو اس حاکم کی ملازمت میں تھا اپنی مصیبت کا حال لکھ کر امرا کی درخواست کی اور

میں لارڈ ایک کی ماتحتی میں برابر موجود رہی ہر سرکار انگریزی نے اس کی قیمتی امداد اور عہدہ خدمات، شجاعت اور نمک حلالی کا جو اس سے اس سخت جنگ میں ظاہر ہوئی تھی بہت شکریہ ادا کیا۔

بگیم نے حکومت کے ابتدائی زمانے میں اپنی فوج کے ساتھ بہت سفر کئے۔ مگر ہندوستانی رسم و رواج اور پردہ کی پابندی ہی اپنے طریق بود و باش میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی۔ کل کاروبار ریاست خود انجام دیتی تھی۔ بگیم گھڑ دربار عام بھی کرتی تھی مگر پرے میں بیٹھ کر ساتھ ہی اسکے اپنے شوہر کی جاری کی ہوئی رسوم کو بھی جاری رکھا۔ یعنی اپنے خاص خاص یوروپین عہدہ داروں کو وقتاً فوقتاً اپنے ساتھ کہانے میں شریک کرتی تھی۔ جب جو انی ختم ہوئی اور پیری نے پردہ کی زیادہ ضرورت بتائی نہ رکھی تو اس نے بھی اس سے ہات اٹھایا۔ وہلی اور سردہ نہیں اپنی کوٹھی پر بڑے بڑے انگریز افسروں کی اکثر دعوت کیا کرتی تھی۔ اور خود بھی اعلیٰ احکام انگریزی یعنی گورنر جنرل اور کمانڈر انچیف وغیرہ کی دعوتیں قبول کر کے انہیں شریک ہوتی تھی۔

بگیم کو خیرات اور تعمیدات کا از بس شوق تھا۔ چنانچہ بہت سے رفاہ عام کے کام کئے اور کئی عمارتیں خلق خدا کے فائدے کے واسطے بنوائیں۔ میرٹھ کی چھاؤنی میں جو دو بڑے پل بگیم کے پل کے نام سے مشہور ہیں وہ اسکے بنوائے ہوئے ہیں ایک گرجا انگریزی فوج کے واسطے میرٹھ کی چھاؤنی میں بنوایا جو اب تک بہت اچھی حالت میں ہے۔ روہن کیتھولک مذہب کے فوجی گورے اس میں نماز پڑھتے ہیں ایک گرجا سردہ نے میں تعمیر کروایا۔ اس کے علاوہ بہت سا رچہ یہ نقد خیراتی کاموں کے واسطے دیا جس کی تفصیل یہ ہے۔

- ۱۔ سر ہنس کے گرما کی مرمت وغیرہ کے واسطے ایک لاکھ
- ۲۔ سر ہنس کے روہن کیتھولک میسائیوں کی تعلیم کے واسطے ایک لاکھ

- ۳۔ سر رہنے کے محتاجوں کے واسطے  
۴۔ نکلنے، یعنی اور مدراس کے کیتھولک مشن کو واسطے  
۵۔ آگرہ کے مشن کے واسطے۔  
۶۔ میرٹھ کے گرجا کے واسطے  
۷۔ پوپ صاحب روم کو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے۔  
۸۔ آج بشب صاحب کنسریری کو محتاجوں میں تقسیم کرنے کے واسطے  
۹۔ نکلنے کے محتاجوں کو تقسیم کرنے کے واسطے ایلوانی کے قیدیوں کو راکرڈ واسطے

میسزین چھ لاکھ بیالیس ہزار

ان تعمیرات اور تعمیرات کے علاوہ بیگم نے اپنے واسطے ایک شاندار کوٹھی سر رہنے میں اور اس سے کسی قدر چوٹی کوٹھی دلی میں اور ایک کوٹھی میرٹھ میں بنوائی۔ دلی میں جو کوٹھی ہر وہ شہر کی بیگم کے باغ کے نام سے مشہور ہوا اور عرصے سے دلی لندن بینک کے تصرف میں ہے۔ یہ کوٹھی چاندنی چوک کے مشرقی اختتام پر قلعے کے قریب ہے اور چاندنی چوک کی سڑک پر سے بہت خوشنما معلوم ہوتی ہے۔

سر رہنے والی کوٹھی کو ۱۸۹۹ء میں سرکار نے نینام کر دیا اور آگرہ کے کیتھولک مشن نے پچیس ہزار روپے میں خرید لیا۔ کہتے ہیں کہ پچیس ہزار کا تو اس میں صرف سامان ہی ہوگا۔ اب اس کوٹھی میں ویسی روٹن کیتھولک عیسائیوں کا تیم خانہ ہے جس جیسے تیم پرورش پابے میں۔

ہندوستان کے مشہور گورنر جنرل لارڈ ولیم بینٹن نے جو بڑے مرد و مہتمم تھے اور لائق آدمیوں کی بہت قدر کرتے تھے ولایت جاتے وقت بیگم کو ایک خط لکھا تھا جس سے اُس کی ذاتی شرافت کا اندازہ ہو سکتا ہے اور اُس کے حالات معلوم کرنے میں مدد ملتی ہے۔ لہذا اس خط کا یہاں درج کر دینا مناسب معلوم

ہوتا ہے پس درج کیا جاتا ہے۔

بنام ہر ہائی نس بیگم صاحبہ!

میری سغرز دوست۔ آپ کی عادات و خصائل کی جو چمکی غرت میرے دل میں ہے اسکا اظہار کئے بغیر بند و ستان چوڑی کو بھی نہیں چاہتا۔

آپ کی نیک مزاجی اور جوہ نمائے جس کی وجہ سے ہزاروں آدمی آپ کو عزیز کہتے ہیں آپ کی تعریف کے خیالات میرے دل میں بہت بڑھاتے ہیں میں آرزو کرتا ہوں کہ آپ کا وجود جو تہمتوں اور بیواؤں کے واسطے باعث تسلی اور آپ کے بیمار متوسلین کے واسطے ایک یقینی ذریعہ معاش ہے عرصہ دراز تک سلامت رہے۔

میں کل صبح انگلستان جاتا ہوں ہمیشہ آپ کا دعا گو اور بھی خواہ رہوں گا امید ہے کہ وہ سب لوگ جو آپ کے ہوا خواہ ہیں باشندگان ہند کے فوائد کی واسطے کوشش کرتے رہیں گے۔

آپ کا سچا دوست ایم ڈی بیونینگ  
کلکتہ ۱۷ مارچ ۱۸۵۵ء

چونکہ یہ مضمون ایک سوانح عمری ہے اور سوانح عمری تاریخ کی حیثیت رکھتی ہے اور تاریخ کہنے والے کو یہ مناسب نہیں کہ صرف انہیں واقعات کا ذکر کرنے جن سے کسی شخص کی خوبیاں ہی خوبیاں ظاہر ہوں یا محض برائیاں ہی برائیاں۔

پس ایک مشہور واقعہ لکھا جاتا ہے جس سے بیگم کی سخت گیری اور تنگ مزاجی ظاہر ہوتی ہے۔ اس کے کہنے سے میرا یہ مطلب نہیں کہ بیگم کی برائی کروں بلکہ ایک سوانح نگار کی حیثیت سے اصلی واقعات کا ظاہر کرنا مقصود ہے۔

دنیا میں کوئی شخص ایسا نہیں جس میں سب باتیں اچھی ہوں۔ کوئی بُرائی نہ ہو۔ اگر کسی میں دس بہلائیاں ہوں اور ایک بُرائی تو اس کو جبراً نہیں کہنا چاہیو کیونکہ دس بہلائیتوں کے مقابل میں ایک بُرائی قابلِ لحاظ نہیں۔

وہ واقعہ یہ ہے کہ سترہویں کسی نے بیگم کے بنگلے میں جو اگر دینا آگ لگا دی۔ اس آتش زدگی سے کسی کو ضرر جسمانی تو نہیں پہنچا مگر کسی قدر اسباب ضرر و جل گیا۔ بیگم اس وقت سندھیا کی فوج کے ساتھ تھرا میں تھی وہاں یہ خبر پہنچی دو عورتوں نے جو اس کی ملازم ہیں آگ لگائی ہے اور ساتھ ہی دونوں عورتیں بھی پیش کی گئیں۔

پہلے تو بیگم نے اُن کو دہ سے لگوائے پھر زندہ دفن کروا دیا۔ کہتے ہیں کہ تختہ تختہ سے اپنے جرم ثابت ہو گیا تھا۔ خیر اگر جرم ثابت بھی ہو گیا ہو تو بھی یہ سزا بہت سخت ہے خصوصاً اس وقت جبکہ کسی کو خفیف سے خفیف بھی جسمانی ضرر نہ پہنچا ہو۔ ضرور بیگم نے اپنے مالی نقصان سے غضبناک ہو کر یہ سخت سزا دی ہوگی۔

جہاں بیگم کی شہرت اور نیک نامی کا یحصد اعرصہ و از تنک لہرنا ہے گا وہاں اسی پھریرے پر بیگم کی سخت گیری اور تنک خراجی کا سیاہ دہبہ بھی دو بیٹیوں کو بغیر دیرین کے دور سے صاف نظر آتا رہیگا۔

تمام

# الفاروق

مولانا شبلی صاحب کی یہ مشہور کتاب ہے جس میں حضرت عمر فاروق کے تمام واقعات اور جو کچھ انہوں نے اسلام کی خدمت کی ہر سبب مفصل لکھے ہیں۔ قیمت مع محصول سے روپہ

## اورنگ زیب عالمگیر

شمس العلی مولانا شبلی نعمانی کی یہ باہل جدیدہ تالیف ہے تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید میں مولانا کا پایہ نظر میں شہسخت شاہ عالمگیر پر جواز الزامات وارد ہوئے ہیں اور بہاؤ کو قتل باپ کی گرفتاری تعصب مذہبی ہندوؤں کے ساتھ مخاصمت بٹ شکنی وغیرہ کے متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے کہ ان اعتراضات کو واقعات سے کوئی تعلق نہیں۔ یہ باتیں پست نظر اور تنگ خیال افسانہ نویسوں کی پیدا کی ہوئی ہیں جو اس صدی کے بہت بعد پیدا ہوئے تھے اور جنہی کشدیں قوم کی بد مذہقی سے تاریخ کے نام سے مشہور ہو گئیں مولانا نے خود عہد کی مستند تاریخوں سے تمام واقعات کی تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ مورخین بھی عالمگیر کے دوست تھے مگر واقعات کو کینو کر چیا سکتے تھے۔ اہل یورپ کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہے اور ہر واقعہ کی کیفیت فلسفہ تاریخ سے دریافت کی ہے۔ قیمت ۸

## خیر الکلام فی احوال العرب والاسلام

اس کتاب میں جغرافیہ ملک، رسوم و عادات، کیفیت احوال وغیرہ قبل اسلام و حالات مذہب ہندو بدھ جین، مائیکوشنیش یہود و نصاریٰ و رشتہ فیوہ بن ہیں تاریخ دیکھنے کے لائق ہر قیمت مفاہد کی غرض سے بہت کم رکھی ہے یعنی عرف۔ مد

## تاریخ بابل و نینوا

اس شہر کے قیرناک واقعات انکی تباہی و بربادی کے عبرتناک حالات دیج ہیں یہ قدیم تاریخ آج تک نہیں چھپی۔ یہ عجیب غریب کتاب ہے۔ قیمت ۴



# تاریخ دیارِ دہلی السوائے

چھپکر تیار ہوئی ہے۔ ہمیں اول سے آخر تک زربائے تمام حالات چشم دید قلمبند کئے گئے ہیں اور سات آٹھ نقشے حسب موقع لکائے گئے ہیں۔ یہ تاریخ قابلِ دید ہر اسکی مقبولیت اور شہرت اس سے ثابت ہے کہ علیا حضرت حضور بیگم صاحبہ الیہ بھوپال نے اسکی سرپرستی فرمائی اور مسودہ طلب کیا مگر خود ملاحظہ فرمایا اور اپنے مبارک نام کے ساتھ مننون کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی اور حضور السرائے بہادر کی خدمت میں بھی شرف باریابی حاصل کیا اور ہندوستان کے بہت سے والیان ملکائے اسکی قدر کی۔ اس سے زیادہ تعریف فضول ہے قیمت فی جلد مجلد طمانی ۱۲ مع محمولہ اک۔

## اورنگ زیب عالمگیر

شمس العلماء مولانا شبلی نعمانی کی یہ بالکل جدید تالیف تاریخ اور واقعات کی تحقیق و تنقید میں لانا کا یا یہ ظہر من الشمس ہونے کا عالمگیر ہر جزائرات اردو ہے جس اور بھائیوں کا قتل باپ کی گرفتاری بے نصیب مہدی ہندوؤں کے ساتھ منہمکت بت شکنی وغیرہ متعلق جو اعتراضات کئے جاتے ہیں اس کتاب میں ثابت کیا گیا ہے۔ کہ ان اعتراضات کو واقعات کوئی تعلق نہیں۔ یہ باتیں سب نظر اور تنگ خیال افسانہ نویسوں کی پیدا کی ہوئی ہیں جو اس صدی کے بہت بعد پیدا ہوئے تھے اور جنکی کتابیں قوم کی بد مذاقی سے تاریخ کے نام سے مشہور ہو گئیں مولانا نے خود عہد کی مستند تاریخوں سے تمام واقعات کی تحقیق کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ یہ مؤرخین بھی عالمگیر کے دوست تھے مگر واقعات کو کئی کچھ چھپا سکتے تھے۔ اہل یورپ کی غلط فہمیوں پر روایت کی نظر ڈالی ہے اور برواقعہ کی کیفیت فلسفہ تاریخ سے دریافت کی ہے۔ قیمت ۸ ر

## الفاروق

مولانا شبلی صاحب کی پیشہ گوئی ہے۔ جس میں حضرت عمر فاروقؓ کے تمام اوقات اور جو کچھ انہوں نے اسلام کی خدمت کی ہر مفصل لکھے ہیں قیمت مع معمول ہے۔ روپیہ

## خیمہ الکلام فی احوال العرب والاسلام

اس کتاب میں جغرافیہ ملکات رسوم و حالات کیفیت اقوام وغیرہ قبل اسلام حالات و مذہب متبع و بدوہ و عین تاؤ و کیفیت شش و ہود و نصائے ذر و رشت وغیرہ و جہاں ہیں تیار و نکھنے کے لائق ہر قیمت عام فائدہ کی غرض سے بہت کم رکھی ہے یعنی صرف ... ..

## تبیخ بابل و تینوا

اس شہر کے حیرتناک اوقات انکی تباہی و بربادی کے عجیب و غریب حالات و جہاں ہیں یہ قدیم تاریخ آج تک نہیں چھپی۔ یہ عجیب و غریب کتاب ہے۔ قیمت ہر

## الہارون

یعنی سوئمیری خلیفہ ہارون الرشید اعظم مع نقشہ ہمالک و بحر و بحار و دار الخلافہ بغداد و قیمت ہر

## اقصائے مغرب

جس میں الجزائر کے تین سو برس کے تاریخی واقعات بربری غارت گروں کی مصلحت خاندان بابر و سہ کے تفصیلی کارنامے مع نقشہ جات۔ قیمت ہر

## مخار بہ مصر و سوڈان

مصر و سوڈان کے اوقات سلطنت ٹرکی اور مصر کے باہمی تعلقات میں انگریزی مداخلت کے اسباب بی پاشا کی بغاوت انگریزی مصری فوج کی کامیابی وغیرہ قیمت ہر

## مثنوی شتر غم

یعنی سید حسن شاہ اور خانم جان کا وہ دردناک اور سچا تاریخی قصہ جو شتر ناول سے لیکر کلز انیم کی بحر میں ہے بطور جدید نظم کیا گیا ہے۔ قیمت ۸







